سنگریزے

محمود میرزا سرحدی

★

ملک بُک ڈپو۔ لاہور

سنگینی

محمود مِرزا سرحدی

ملک بک ڈپو۔ لاہور

پرمٹ نمبر ۹۰۶ بمطابق ۶/ اکتوبر ۱۹۵۳ء

(انشا پریس اردو بازار لاہور میں چھپی)

بار اول ۱۰۰۰ | جنوری ۱۹۵۴ء | قیمت عہ

صوبۂ سرحد کے مایۂ ناز شاعر

سید مظہر گیلانی

کے نام بصد خلوص

ترتیب

تعارف

میرزا محمود سرحدی شعر کے توسط سے خود ہنستے اور دوسروں کو ہنساتے ہیں، لیکن یہ زہر خند اُن کے گہرے دردِ دل کے اظہار کے سوا کچھ نہیں، میرزا محمود اپنے خاص طرزِ فکر کی بنا پر شاعر سے زیادہ معلّمِ اخلاق اور معلّمِ اخلاق سے بڑھ کر حکیم ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اِس حکیم کے تجویز کیے ہوئے سب نسخے قابلِ عمل نہ ہوں، کیونکہ بعض امراض مزمن ہیں اور علاج کی ہر منزل سے آگے گذر چکے ہیں، بعض ایسے کہ مریض ان کو اپنے وجود کا حصہ سمجھ کر انہی سے

اکتساب لذّت کرنے لگتا ہے اور ان کو اپنے وجود سے الگ کرکے اپنی زندگی میں بے معنی خلا پیدا نہیں کرنا چاہتا، اور بعض دواؤں کے ساتھ پرہیز کی پابندی اس قدر زیادہ ہے کہ مریض مرتے دم تک اپنے آپ کو ان بندھنوں سے آزاد رکھنا چاہتا ہے!

اس پر نہ جائیے کہ یہ بے چارہ حساس دل کا مالک شاعر ان امراض کو دیکھ دیکھ کر کس شدید کرب میں مبتلا ہے اور کس بے پناہ عذاب کو اپنے سینے سے لگائے پھرتا ہے، خود غرضی، رشوت خوری، زر پرستی، ظاہر داری، جھوٹی نقالی اور جدت کے شوق میں بے راہروی وغیرہ ایسی معاشرتی اور انفرادی خرابیاں ہیں جو جائز طور پر میرزا محمود سرحدی کے تیر و سناں کا ہدف ہیں۔ وہ شعر کا لباس پہن کر طنز و مزاح کے ہتھیاروں سے لیس ان پر جھپٹتا ہے ان کو گرانے اور پچھاڑنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کشاکش سے مسرت حاصل کرتا ہے اس پر خود ہنستا ہے اور دوسروں کو اپنی اس ہنسی میں شریک کرتا ہے۔

میرزا محمود سرحدی کے ادبی حلقوں میں خاص شہرت کے مالک

ہیں جہاں تک میرا تعلق ہے میں نے کچھ تو وقتاً فوقتاً خود اُنکی زبانی اُن کا کلام سنا ہے اور کچھ اُن کی منظومات کے زیرِ تالیف مجموعے کے بعض اوراق اُنہی کی وساطت سے پڑھے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اُن کے اس اوّلیں مجموعہ کلام کی اشاعت اُن کو پاکستان کے وسیع تر ادبی حلقے سے روشناس کرائے گی۔ اور اُن کی شہرت کو جو اب تک صوبہ سرحد تک محدود رہی ہے وسعت اور استقامت بخشے گی۔

ن۔م۔ راشد

پشاور۔ ۱۷ اگست ۱۹۵۲ء

غزلیات

خدا جانے ہمیں ہندوستانی کیوں وہ کہتے ہیں
ہماری ساخت انگریزی ہماری روح سرکاری

غلامی کا سبق دُہرانے والے جانتا بھی ہے
ترے اجداد نے کی ہے جہانگیری جہاں داری

نہ دیکھ اِس سُوٹ کو اس کی سلائی اب بھی باقی ہے
نہ جا اِس ہیٹ پہ یہ بھی ملا ہے ہم کو سرکاری

مرا استعفےٰ واپس کر دیا "صاحب" نے یہ کہہ کر
غلاموں کو بھی ہوتا ہے کبھی احساسِ خودداری

خدا کی شان ہے محمودؔ ایسے دن بھی آنے تھے
کہاں مکتب کی استادی، کہاں پلٹن کی سرداری

○

تنسیخ کروں گا نہ میں ترمیم کروں گا
جو کچھ بھی کہو گے اُسے تسلیم کروں گا

دل ایک ہے، اور اُس کے طلبگار ہیں لاکھوں
کِس کِس پہ خدایا اسے تقسیم کروں گا

مذہب سے جو نفرت ہو تو تعلیم سے حاصل
تقلید کرو گے تو میں ترمیم کروں گا

مانا کہ محبت ہے، بتوں سے مجھے لیکن؛
پابندیٔ قانونِ برا ہیم کروں گا

مجھ رند کو محمودؔ جو ٹھیرائیں نہ کافر
اُن راہ نماؤں کی میں تعظیم کروں گا

○

پھر موسمِ بہار ہے اور بادہ خواریاں
مینا بدوش ہوں کبھی ساغر بدست ہوں

کتنا عجیب ہے مرے دل کا معاملہ
باطل پرست ہوں تو کبھی حق پرست ہوں

میری نظر کی وسعتیں مجھ سے نہ پوچھئے
دل کا غنی ہوں گرچہ بہت تنگدست ہوں

سننا بھی چاہے کوئی تو ہرگز نہ سن سکے
میں ایک ایسے دل کی صدائے شکست ہوں

محمودؔ بت شکن مجھے کہتا ہے اِک جہاں
لیکن میں جانتا ہوں کہ میں بت پرست ہوں

ایک فیشن کا مرض ہوتا نہ ہم کو اے خدا
سینکڑوں بیماریاں تھیں مختلف اقسام کی

رحم اُس مزدور کی حالت پہ اے سرمایہ دار
فکر ہے جس کو سحر ہونے سے پہلے شام کی

کچی بنیادوں پہ رکھتا ہوں عمارت کی بِنا
پختگی تو دیکھیے میرے خیالِ خام کی

مُنہ چھپاتے ہیں وہ پردے میں مگر پردہ ہے وہ
جس پہ نظریں خود بخود پڑتی ہیں خاص و عام کی

بے خبر تُو اپنے گھر کے حال سے واقف نہیں
اور تجھ کو فکر ہے بنگال کی آسام کی

○

کرائے پر جو رہتے ہوں بھلا اُن کا ٹھکانہ کیا
کبھی اِس آشیانے میں کبھی اُس آشیانے میں

غریبی کوئی پیشہ تو نہیں اے صاحبِ ثروت
نہیں تو تجربہ ہو جائے گا تجھ کو زمانے میں

منافع حد سے زائد ہو تو قانوناً ہے ناجائز
نتیجہ اِس کا جا کر دیکھ لو گے جیل خانے میں

اگر چادر[1] سے باہر پاؤں تم اپنے نکالو گے
ٹھکانہ سر چھپانے کا نہ ہو گا پھر زمانے میں

سمجھتا ہوں کہ عزت کا اِسی میں راز پنہاں ہے
اگرچہ شرم آتی ہے مجھے پیسہ بچانے میں

---

[1] چدر

جنھیں ہے مذہب و ملت سے واقفیت بھی
وہ ہندو اور مسلمان اب ہیں بے حس سے
اگر نہیں ہیں تو مجھ کو جواب دیں اِس کا
کہا ہے کِس نے انھیں اور سنا ہے یہ کِس سے
جب اُن کی بیٹیاں تعلیم یافتہ ہو جائیں
تو اپنے نام کی وہ ابتدا کریں مِس سے
سمجھ کے اِس کو سمجھتا نہیں ہے کوئی بھی
کہا ہے حالِ دلِ زار میں نے جِس جِس سے
نہ جانتے ہوئے تقلید اُن کی کرتے ہیں
جو لوگ آئے ہیں ہندوستاں میں پیرس سے

○

جب تو عطا ہوا ہے یہیں سے مجھے خطاب
کعبے کو جا رہا ہوں میں کارِ ثواب کو
بُرقع وہ رکھ کے دوش پہ کہتے ہیں بار بار
کیا پردہ داریوں سے تعلق حجاب کو
ہر سُو یگانگت میں ہے بے گانگی کا رنگ
حیران ہُوں میں دیکھ کے اِس انقلاب کو
سب شاعری ہے پینا پلانا تو در کنار
کافر ہوں میں جو ہاتھ لگاؤں شراب کو
تحقیق مجھ سے مشرقی تہذیب کی نہ کر
ٹھنڈی سڑک پہ دیکھ کسی بے نقاب کو

○

جنہیں فرصت نہ ہو اپنی خوشی سے
اُنہیں کیا دوسروں کے غم سے مطلب
نگاہِ ساقیٔ کوثر ہو جس پر
بتاؤ اُس کو جامِ جم سے مطلب؟
وہ جن کے حال پر خود مہرباں ہو
اُنہیں قاصد سے کیا محرم سے مطلب
میں اکثر سوچتا ہوں کیا بتاؤں
وہ اکثر پُوچھتے ہیں ہم سے مطلب
مجھے گاندھی سمجھ کر مار ڈالا
تو اُس کے بعد اِس ماتم سے مطلب

انجام اس کا ہو گا تو کیا ہو گا اے خدا
وہ بس میں ہیں نہ بس میں دلِ بے قرار ہے

اخلاص اور چیز ہے دولت ہے کچھ اور چیز
اب عشق و عاشقی کا اِسی پر مدار ہے

بے پردگی کا جس کی ہو پردے میں احتمال
میری نگاہ میں وہ کہاں پردہ دار ہے

اِس پر ہی خُوش ہوں میں کہ مرا اس جہان میں
کوئی اگر نہیں ہے تو پروردگار ہے

دفتر بتا دیا مجھے بھرتی کا اور کہا
اِس دَور میں بھی تجھ کو غمِ روزگار ہے

○

نمایاں ہو گی کیا اتنی کسی اخبار کی سُرخی
دکھاؤں آ تجھے اپنے رُخِ دلدار کی سُرخی
اگرچہ جانتا ہوں میں کہ یہ اصلی نہیں پھر بھی
قیامت ڈھا رہی ہے آپ کے رخسار کی سُرخی
ہمارے دل کے داغوں سے کوئی نسبت نہیں اسکو
کہاں خونِ شہیداں اور کہاں گلزار کی سُرخی
سرِ محشر تو ہم کہہ دینگے ہم نے خودکشی کر لی
چھپے گی کس طرح لیکن تری تلوار کی سُرخی
بہارؔ آخر چھپے گا بھی تو مظلوں کا خوں کیونکر
گواہی دے رہی ہے ہر در و دیوار کی سُرخی

ہ جہاں مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ہوئے۔

ہاتھ آتے نہیں ہیں وہ جب تک
پاکبازی ہی پاکبازی ہے
بات مطلب کی ہے خلوص کہاں
ہر طرف اب زمانہ سازی ہے
غیر اپنی نظر نہیں آتی
جب یہی شانِ دلنوازی ہے
لُوٹ کر عاشقوں کو فرمایا
مالِ مُوذی ہے شامِ غازی ہے
تجھ کو رندوں کی کیا خبر زاہد
یہ ولی ہیں جو تُو نمازی ہے

وہ بات بات پہ کافر بنا رہے ہیں ہمیں
خبر نہیں ہے کہ معیارِ کافری کیا ہے
غضب میں کون پڑے پوچھ کر غلاموں سے
گدا اگر ہی جو نہیں ہے تو نوکری کیا ہے
وطن میں خانہ بدوشوں کی طرح رہتے ہیں
اب اِس سے بڑھ کے بتاؤ مسافری کیا ہے
وہ پیر بننے کے خواہاں کبھی نہیں ہوتے
جنہیں خبر ہے کہ رازِ قلندری کیا ہے
ستم کو ناز تو سمجھوں مگر بتا تو سہی
یہ دلبری ہے تو شانِ ستمگری کیا ہے

کچھ ایسے بدلے کہ تہذیب بھی بدل ڈالی،
وہ بات کرتے ہیں ہم سے گورنروں کی طرح

نقاب پر ہی تھا موقوف، نہ صورت تو
ستم گروں کی طرح تھی نہ دلبروں کی طرح

بعید کیا ہے وہ دل لے کے پھر مکر جائیں
نظر جو آتے ہیں اس وقت ممبروں کی طرح

خبر بھی ہے تجھے ہندوستاں کہ کون ہیں یہ
جو آج بستے ہیں تجھ میں قلندروں کی طرح

اکیلے تم ہی تو محمودؔ بُت پرست نہیں
ہزاروں ایسے مسلماں ہیں کافروں کی طرح

تُو نے صیّاد اگر پھر سے بگاڑا بھی تو کیا
بار ہا پہلے بھی بگڑا ہے نشیمن بن کر

دشمنی دوستی کے پردے میں ہو سکتی ہے
دشمنی کر نہیں سکتا کوئی دشمن بن کر

دل پہ ترجیح نہ دے زر کو کہ یہ عارضی ہے
سینکڑوں بگڑے ہیں دُنیا میں مہاجن بن کر

عربی کوئی نہیں بولتا حج سے آکر
جو بھی لندن سے پلٹتا ہے تو کرزن بن کر

ہائے اُن لوگوں کی تقلید کا سودا ہے ہمیں
جن کے ہر روز بگڑ جاتے ہیں فیشن بن کر

مجھ کو ملّت سے غرض کیا ہے کہ آزاد ہُوں میں
جا کے بُت خانے میں بیٹھوں گا برہمن بن کر

جانے کس روز بنا ہوگا وہ کپڑا محمودؔ
دھجیاں اُڑتی ہیں جس کی مرا دامن بن کر

○

پیر صاحب کہہ رہے ہیں دیر سے ہل من مزید

اور ستم یہ ہے سمجھ سکتے نہیں اُن کے مُرید

اب تو انگریزی میں بھی قرآن کی تعلیم ہے

کیوں اسے پڑھتا نہیں اے حامئ دَورِ جدید

جا کے اب "صاحب بہادر" سے کہیں تو کس لئے

جب کہ ہم کو "خاں بہادر" سے نہیں کوئی اُمید

کیا یہ پردہ ہے کہ ہے بے پردگی حیران ہُوں

دیکھ کر میں آج کل برقعوں کی یہ قطع و بُرید

شوق ہو کیوں کر نہ جلسوں میں مجھے تقریر کا

جب کہ ہر اِک شخص کی ہوتی ہے تائیدِ مزید

مجھ کو بے کاری سے فرصت ہو تو لکھوں گا ضرور

خادمہِ[1] "نسواں" کی خاطر میرزا عبد الحمید[2]

---

[1] رسالہ نسواں - [2] ایڈیٹر

کرفیو کرفیو کہہ کر نہ ڈراؤ ہم کو
ہم سے پابندیٔ اوقات بڑی مشکل ہے

ایک دن کا ہو تقاضا تو کوئی بات بھی ہے
روز سوغات یہ سوغات بڑی مشکل ہے

جن کو آتے ہوں غلامی میں حضوری کے مزے
ترک کر دیں گے خطابات بڑی مشکل ہے

تیرے تقوے پہ ہمیں شک نہیں زاہد پھر بھی
اِس زمانے میں کرامات بڑی مشکل ہے

ہوش مے خانے کے دروازے پہ آتا ہو جنہیں
چھوڑ دیں گے وہ خرابات بڑی مشکل ہے

○

بی اے میں خود کو کس لئے لکھوں نہ اے ندیم
عطّار اپنے آپ کو کہتا ہے جب حکیم

دُنیا کو اُن کے حال پہ آئے نہ کیوں ہنسی
"باپو" کو اپنے مار کے روتے ہوں جو یتیم

ٹھکرا دیا یہ کہہ کے مری عرضداشت کو
ہم جس قدر جدید ہیں تو اُس قدر قدیم

کیا اُن سے وجہ ترک ملاقات پُوچھئے
نظروں سے دُور ہو کے جو دل میں رہیں مقیم

ہم کہہ رہے ہیں شیخ سے کشمیر میں وہی
کہتے تھے بار بار جو فرعون سے کلیم

○

کس سے حالِ دلِ فگار کہوں
وہ جو پوچھیں تو بار بار کہوں

ہائے مجبوریاں محبت کی
دشمنی کو بھی اُن کی پیار کہوں

ریشمی بُرقع اوڑھنے والے
کس طرح تجھ کو پردہ دار کہوں

مجھ سے پُوچھے اگر کوئی تو اُسے
دستِ قدرت کا شاہ کار کہوں

زخمِ دل ہو گئے ہرے پھر سے
کیا تجھے موسمِ بہار کہوں

الزامِ محبت ہے ہم پر لیکن یہ کوئی الزام نہیں
یہ ٹھیک ہے دل کے ہاتھوں سے مجبور ہیں ہم بدنام نہیں
کیا پوچھتے ہو کیونکر گذری اور کیسے گذرتی ہے اپنی
رودادِ محبت کیا کہئے، آغاز نہیں انجام نہیں
اب اور کسی کا کیا شکوہ یارانِ وطن کا حال ہے یہ
مدت سے کوئی مکتوب نہیں عرصے سے کوئی پیغام نہیں
مجنوں بھی نہیں اب وارفتہ، لیلےٰ بھی ہے محمل سے باہر
اب ذوقِ نظر بھی خاص نہیں پردا بھی اب اتنا عام نہیں
کیا پوچھتے ہو نادار دل سے معیارِ محبت ظاہر ہے
اب جیب میں اپنی دام نہیں اب ماہ وشوں سے کام نہیں

ہماری سرگذشتِ شوق سُن لوگے تو کہہ دوگے
حقیقت کس کو کہتے ہیں، کہانی کس کو کہتے ہیں

نہ بھولے گا کسی کا مُسکرا کر ناز سے کہنا
کہ اب تم ہی بتاؤ "مہربانی" کِس کو کہتے ہیں

نہ مجھ سے پُوچھئے "صاحب" مری صورت سے ظاہر ہے
بتاؤں کیا تمہیں ہندوستانی کس کو کہتے ہیں

میں خود لالچ میں آکر اِس طرح خاموش ہوں ورنہ
دکھا دیتا تمہیں رشوت ستانی کس کو کہتے ہیں

نہ ہم پر کفر کے فتوے لگاتا اِس طرح زاہد
اگر اُس کو خبر ہوتی جوانی کس کو کہتے ہیں

بنگلوں سے اپنے وہ ہمیں دھتکارتے ہیں آج
رہنے کو اپنے واسطے جن کا مکاں نہ تھا

تقدیر آزمائی ہے ہر اِک جگہ، مگر
ایسی زمین نہ تھی کہ جہاں آسماں نہ تھا

یہ کج ادائیاں تھیں نہ یہ بے وفائیاں
جب تک ہمارا حال کسی پر عیاں نہ تھا

میں ترجمانِ قوم تو بے شک رہا مگر،
انگلینڈ میں مجھے غمِ ہندستاں نہ تھا

مانا کہ تیرے حُسن کا شُہرہ ہے دُور دُور
لیکن ہمارے عشق کا چرچا کہاں نہ تھا

لندن میں دھوم تھی مرے اشعار کی بہت
لیکن یہ قہر تھا کہ کوئی ترجماں نہ تھا

فضیلت ہوتی جاتی ہے رذیلوں کو شریفوں پر
زبردستوں کو حاصل زیردستی ہوتی جاتی ہے

اُدھر افلاس بڑھتا جا رہا ہے آئے دن جتنا
اِدھر دُنیا میں اتنی فاقہ مستی ہوتی جاتی ہے

اُدھر تعلیم بڑھتی جا رہی ہے آئے دن جتنی
اِدھر اخلاق میں اتنی ہی پستی ہوتی جاتی ہے

جسے ہندوستاں[1] کہتے تھے وہ گہوارۂ دولت
سنا ہے ہم نے قلاشوں کی بستی ہوتی جاتی ہے

کبھی جنسِ محبت تھی زمانے میں گراں، لیکن
سنا ہے رفتہ رفتہ وہ بھی سستی ہوتی جاتی ہے

الٰہی ہم غریبوں کا ٹھکانا کس جگہ ہوگا
جہاں میں ہر طرف فیشن پرستی ہوتی جاتی ہے

---

[1] تقسیم سے پہلے کہا گیا تھا۔

○

دُور ہی سے سلام ارے توبہ
پاس آنا حرام ارے توبہ

حُسن اور بے نیاز شرم و حیا
دعوتِ خاص و عام ارے توبہ

ہے بغل میں چھُری مگر منہ سے
کہتے ہیں رام رام ارے توبہ

یاد ہے اُس کی بزمِ ناز مجھے
صحبتِ ناتمام ارے توبہ

عرضِ مطلب پہ مسکرا کے کہا
یہ خیالاتِ خام ارے توبہ

دِل میں خواہش خطاب کی لیکر
قصدِ بیت الحرام ارے توبہ

صاحبِ تیغ و سناں تھے ہم کبھی سچ ہے مگر
رکھتے ہیں جیبوں میں اب تو آئینہ اور شانہ ہم

حیف سمجھے ہی حقیقت کو تو کب سمجھے ہیں وہ
جب زمانے کی نظر میں ہو گئے افسانہ ہم

شیخ صاحب سے اسی پر ہے ہمارا اختلاف
وہ ہمیں دیوانہ کہتے ہیں انہیں دیوانہ ہم

غم نہیں ہے اُن کے جلوے ہیں اگر قیمت طلب
ٹیکس کی صورت ادا کر دیں گے یہ نذرانہ ہم

سنتے ہیں تعمیر ہونے کو ہے پھر سے سومنات
دیکھئے محمودؔ کب ڈھلتے ہیں یہ بت خانہ ہم

وہ جو پوچھیں تو کیا کہوں اُن سے
پھر رہا ہوں اُداس اداس کہاں

اب کفن کے لئے بھی پرمٹ ہے
اب وہ آرائش لباس کہاں

جانتے ہو کہ چینی مہنگی ہے
میری باتوں میں اب مٹھاس کہاں

اتنا وسواس بھی نہیں اچھا
میری بیوی نہیں تو ساس کہاں

مے کدے بند ہو گئے محمودؔ
اب صراحی کہاں گلاس کہاں

○

ہمیں اُن سے جوانمردی کی امیدیں ہوں کیا جن کی
مسیں بھیگی نہیں ہیں اور حجامت کی تمنّا ہے
مرے نزدیک نکٹائی بھی پھندا ہے غلامی کا
مگر دُنیا یہ کہتی ہے کہ فیشن کا تقاضا ہے
جو وہ زُلفیں کٹاتی ہیں تو یہ گیسو بڑھاتے ہیں
نہ لڑکی اب وہ لڑکی ہے نہ لڑکا اب وہ لڑکا ہے
بدل کر رہ گئیں ہیں آج کل ذہنیتیں ایسی
کہ بیٹا باپ ہے اور باپ یہ سمجھو کہ بیٹا ہے
ذرا تضحیک کے انداز دیکھو اپنے مذہب کی
کہ اب مومن کی نظروں میں بھی کافر ہے تو مُلّا ہے

سوچتا ہوں کہ حشر کیا ہوگا
دیکھتا ہوں تری اداؤں کو

مجھ کو خاموش رہنے دے زاہد
جانتا ہوں میں پارساؤں کو

بن رہے ہیں مرید غیروں کے
کیا کہوں اپنے پیشواؤں کو

لطف جب ہے کہ واسطہ پڑ جائے
بیوفاؤں سے بے وفاؤں کو

ہاں کوئی حوصلہ نہ رہ جائے
مَیں نے بخشا تری خطاؤں کو

جیب میں زر نہو تو پھر محمودؔ
کون سنتا ہے التجاؤں کو

سُرمہ تو ہوا سُنت ، کیا پان بھی واجب ہے
اِس دَور کے مُلّا بھی کچھ کم نہیں مسٹر سے

جس کو بھی نسب نامہ معلوم نہ ہو اپنا
وہ مشورہ چاہے تو پوچھے کسی ہنسبر سے

محکوم کو آقائی کچھ زیب نہیں دیتی
یہ کون کہے جا کر سرکار کے نوکر سے

ہم سانولی صورت پر مرتے ہیں مگر اُس نے
چہرے کو بگاڑا ہے پوڈر کے پلستر سے

اب راہنما خود ہی گمراہ ہیں بے حِس ہیں
انداز مسلمانی سیکھو کِسی کافر سے

میں بابو نہیں ہوں میں مسٹر نہیں ہوں — میں فدوی نہیں ہوں میں احقر نہیں ہوں

نہیں ہوں میں ماتحت جبروتیوں کا — سسکتے ہوؤں کا میں افسر نہیں ہوں

گورنر کی چوکھٹ پہ سر کو جھکاؤں — میں ایسا سند یافتہ "سر" نہیں ہوں

کہاں تک رہیگی یہ بے اتفاقی — تو چرچل نہیں ہے میں ہٹلر نہیں ہوں

تجھے میرے اجداد سے کیا تعلق — تو ووٹر نہیں ہے میں ممبر نہیں ہوں

جو پوچھا کہ بگڑے رہو گے ہمیشہ — تو فرمایا تیرا مقدر نہیں ہوں

محبت ہے محمودؔ تجھ کو بتوں سے
مگر کہہ رہے ہو کہ کافر نہیں ہوں

آپ سوچیں تو بات کچھ بھی نہ تھی،
رات کی واردات کچھ بھی نہ تھی

سب کرشمے تھے عشق کے ورنہ
حسن کی کائنات کچھ بھی نہ تھی

جانے کیا تھا تری نگاہوں میں
ورنہ وجہِ حیات کچھ بھی نہ تھی

منحصر جام تک ہی تھا، ورنہ
ہم کو فکرِ نجات کچھ بھی نہ تھی

مدّعا یہ تھا پھر منائیں ہم
روٹھ جانے کی بات کچھ بھی نہ تھی

فسانے کی صورت میں احوال اپنا
سُناتا ہوں اُن کو بہانے بہانے
ہم عرضِ تمنّا کیئے جا رہے ہیں
وہ سمجھے نہ سمجھے وہ مانے نہ مانے

غریبوں کی قسمت میں مزدوریاں ہیں
عجب تیری قدرت کے ہیں کارخانے
نہ ہم سے کہو رہنماؤں کی حالت
جو لندن کو جاتے ہیں حج کے بہانے

محبّت کا معیار ہے آج دولت
مہیّا کروں اب کہاں سے خزانے

جو کچھ بھی ہو غلامی کی لعنت نہ کر قبول
جنّت بھی ہو اگر تو یہ جنّت نہ کر قبول

تہذیبِ مغربی کا تقاضا یہی ہے آج
اس دور میں کسی کی نصیحت نہ کر قبول

یہ بیچنے کی چیز نہیں بے خبر نہ بیچ
اس حسنِ بے پناہ کی قیمت نہ کر قبول

ووٹر ہو سارا شہر تو ممبر نہ بن کبھی
گھر کو لٹا کے مفت کی ذلّت نہ کر قبول

گر چاہتا نہیں کہ کرے مفت خدمتیں
ہرگز کسی امیر کی دعوت نہ کر قبول

○

سوٹ سلوانے کو یُوں تو سِل گیا
بِل جو دیکھا تو کلیجہ ہِل گیا

کھو گئی میراث بھی اجداد کی
دل لگانے کا نتیجہ مِل گیا

موٹروں میں شانِ لیلائی ہے آج
قیس وہ پردہ گیا محمل گیا

دیکھ کر حالت مری کہنے لگے
تھا تمنا مجھکو کہ میرا دل گیا

پھیر کہتے ہیں اِسے تقدیر کا
جب طبیعت آگئی تو دل گیا

الٰہی اب تو راشن کارڈ لیکر ہم غریبوں کو
ترے بندوں سے روٹی مانگ کر کھانے کے دن آئے

غلامی کے سہانے خواب کالج ہی سے آتے تھے
ابھی تو دفتروں میں ٹھوکریں کھانے کے دن آئے

الیکشن کے لئے کی جا رہی ہیں کوششیں پھر سے
سُنا ہے پھر گڑے مردے اکھڑوانے کے دن آئے

جوانی اور پھر یہ ریشمی برقعے معاذاللہ
یہ شرم آنے کے دن آئے کہ شرمانے کے دن آئے

بہت نزدیک ہیں وہ دن کہ اِن کے سر بھی مُنڈھ جائیں
ابھی تو عورتوں کے بال کٹوانے کے دن آئے

سوال یہ ہے کہ رشوت ہے جرم تو کیوں کر
کسی کے حق میں حلال اور کسی کے حق میں حرام

وہ ہم سے کہتے ہیں اب مے پرستیاں نہ کرو
سنا ہے چلتے ہیں محفل میں جن کی جام پہ جام

نہ مجھ سے پوچھئے سرکار کیا غرض ہے مری
میں چاہتا ہوں وہی کچھ جو چاہتے ہیں عوام

خبر نہیں ہے کہ انجام اِس کا کیا ہوگا
نہ تیرے حسن کی قیمت نہ مری جیب میں دام

ہمارے واسطے انعام شاعری ہے یہی
کسی حسیں کا تبسم کسی حسیں کا سلام

○

مخالف بھی جس کو محبّت سے دیکھے
ہم اُس کی نمائندگی مانتے ہیں
تکلّف کی اتنی ضرورت نہیں ہے
جو پہچانتے ہیں وہ پہچانتے ہیں
خدا جانے وہ کیا سمجھتے ہیں ہم کو
خدا جانے ہم اُن کو کیا جانتے ہیں
جو تقریر ہوتی ہے پردے کے پیچھے
اگر جھوٹ بھی ہو تو سچ مانتے ہیں
کسی دن تو ہم کو سمجھ جائینگے وہ
ابھی تک وہ شاعر ہی گردانتے ہیں

○

کیا کہئے کس طرح کا مسلماں ہے آج کل
کافر بھی جس کو دیکھ کے حیراں ہے آج کل

پوڈر بھی بشرہ سے کچھ ارزاں ہے آج کل
دیکھو جسے وہ یوسفِ کنعاں ہے آج کل

اب لڑکیوں پہ ہوتا ہے لڑکوں کا احتمال
لڑکوں پہ لڑکیوں کا سا امکاں ہے آج کل

کپڑے کے کنٹرول نے عاشق بنا دیا
دامن ہے آج کل نہ گریباں ہے آج کل

کیا جانے حال بعد میں ہوتا ہے اور کیا
چہرے کے ساتھ سینہ بھی عریاں ہے آج کل

پھر قبلہ رو کھڑا ہوں خدا کے حضور میں
دل میں خیالِ جلوۂ جاناں کئے ہوئے

آج ادعائے بخیہ گری ہے اُنہیں جو کل
پھرتے تھے اپنا چاکِ گریباں کئے ہوئے

مانا کنٹرول ہے ہر چیز پر، مگر
"عرصہ ہُوا ہے یار کو مہماں کئے ہوئے"

لو دخترانِ قوم کے کالج وہ آ گئے
مدّت ہوئی تھی سیرِ پرستاں کئے ہوئے

موٹر کی کھڑکیوں سے مجھے جھانکتے ہیں وہ
تشہیرِ حسن و عشق کا ساماں کئے ہوئے

میری ہر ایک بات سے ظاہر کہ الاماں
اُن کی ہر اک ادا کا تقاضا یہ ہے کہ پی

کی التجا کہ پھر مری توبہ نہ توڑیئے
بولے کہ اب وفا کا تقاضا یہ ہے کہ پی

آتا ہے اپنے عہد کا رہ رہ کے پھر خیال
پھر اُن کا انتہا کا تقاضا یہ ہے کہ پی

پھر اس طرف ہیں جنبشیں پائے ثبات کو
پھر اُس طرف بلا کا تقاضا یہ ہے کہ پی

ممکن نہیں کہ بادہ کشی اب حرام ہو
مظہرؔ[1] سے پارسا کا تقاضا یہ ہے کہ پی

---

[1] صوبہ سرحد کے مایۂ ناز شاعر و ادیب

تلاوت کی کبھی نوبت نہیں آئی مگر ہم نے
گھروں میں طاقچوں پہ بارہا قرآن دیکھے ہیں

نہ پوچھو کیسے کیسے رنگ دیکھے ہیں زمانے میں
جہاں ایوان دیکھے تھے وہاں میدان دیکھے ہیں

بتائیں کیا تمہیں زاہد تمہارے بھیس میں ہم نے
کئی انسان دیکھے ہیں کئی شیطان دیکھے ہیں

بدامنی کے دنوں میں عام لوگوں کے تو کیا کہنے
گھروں میں حاجیوں کے لوٹ کے سامان دیکھے ہیں

کوئی مرقد کسی لیڈر کا نظروں سے نہیں گذرا
شہیدانِ وطن کے ہم نے قبرستان دیکھے ہیں

استغفر اللہ یہ بے حجابی
تہذیبِ حاضر کی کامیابی
جلوہ نمائی، جلوہ فروشی
ہر سُو تباہی ہر سو خرابی
آؤ کہ مل کر کایا پلٹ دیں
تم انقلابی ہم انقلابی
وہ اُن کی ثروت یہ میری غُربت
ممکن نہیں ہے اب باریابی
پوچھو نہ مجھ سے پتلون کے راز
ظاہر ہے مجھ پر عالی جنابی
اب کیا جھپکنا، اب کیا جھجکنا
تم بھی شرابی ہم بھی شرابی

○

چاہنے والوں کی ہوتی جو ضرورت اُن کو
بند اِس طرح سے بھرتی کے دفاتر ہوتے

تیری صورت پہ مجھے پیار تو آتا ہے مگر
قیس و فرہاد کے حالات پڑھے ہیں میں نے

جھوٹ کہہ سکتا ہوں ایمان ڈبو سکتا ہوں
پھر بھی لیڈر وہ نہ سمجھیں تو مرے اپنے نصیب

شیروانی تو پہن لوں کہ ہوں شاعر لیکن
اِس سے ڈرتا ہوں کہ قوال سمجھ لے نہ کوئی

پھر ستائیگا نہ ہرگز تجھے دولت کا خیال
میرے محبوب مرے باپ کو مرنے دے ذرا

یہ تو نزدیک سے پوڈر کی تہیں دیکھتے ہو
دُور سے تو مجھے انگریز سمجھتا ہے جہاں

نام سے اپنے چھپا کر مرا دیوان منعم
مجھ سے کہتا ہے کہ میں زندۂ جاوید ہوا

○

جو اہلِ زر ہمیں کہتے ہیں بے نوا سچ ہے
سوال یہ ہے کہ اُن کو خسیس کون کہے

کبھی کسی پہ عنایت کبھی کسی پہ کرم
تمہیں کہو تمہیں اپنا انیس کون کہے

ہم اِس خطا پہ سزاوار ہو گئے جو کہا
حضور آپ کی رشوت کو فیس کون کہے

یہ ووٹ اچھا ہے پر کیا کریں کہ سستا ہے
خرید لیں تو ہمیں پھر کو رئیس کون کہے

شراب میں ہے نفاست مگر مرے ساقی
تمہارے سامنے اس کو نفیس کون کہے

—

وہاں کون اخلاص کو پوچھتا ہے
جہاں کام چلتا ہے دام و درم سے

مجھے دیکھ کر مسکرا دینے والے
میں واقف ہوں تیری نگاہ کرم سے

زمانے کی باتوں پہ کیوں جا رہے ہو
زمانہ موافق نہ تم سے نہ ہم سے

سنا ہے وہ محتاج ہیں روٹیوں کو
جواہر ٹپکتے ہیں جن کے قلم سے

اسے کوئی شاعر سمجھتا نہیں ہے
جو واقف نہ ہو آج کے زیر و بم سے

زمانے کو محمود اس کی خبر ہے
جو ہے واسطہ تجھ کو بیت الصنم سے

○

ترقیوں پر ترقیاں ہیں ڈگریوں پر ڈگریاں
پاس کرتا جا رہا ہوں امتحاں پر امتحاں
اب تو ہم پر رحم کر اے خالقِ کون و مکاں
دیکھ بندے بھی ترے کرنے لگے رزاقیاں
آج جو حالات ہیں دنیا کے وہ پہلے نہ تھے
ہم نے دیکھے ہیں ہزاروں انقلابِ آسماں
چاک تھا جب پیرہن مجنوں کا وہ دن اور تھے
اب تو مجنوں پر بھی ہو جاتا ہے لیلیٰ کا گماں
کیا عجب پردہ نشینی بھی وہ کر لیں اختیار
عورتوں کی طرح ہیں جن کے سروں پر چوٹیاں
واقعاتِ زندگی ہیں شاعری کیا ہے مری
میں وہی کہتا ہوں جو کچھ دیکھتا ہوں مہرباں

○

ہم اِدھر دردِ دل سُناتے ہیں
لوگ اُدھر واہ واہ کرتے ہیں

وہ بھی آباد رہ نہیں سکتے
جو کِسی کو تباہ کرتے ہیں

وقت آیا تو خود سمجھ لوگے
ہم کہاں تک نِباہ کرتے ہیں

سچ نہ مانیں تو کیا کریں آخر
وہ خدا کو گواہ کرتے ہیں

شیخ جی تم تو اپنے ہوش میں تھے
ہم تو پی کر گناہ کرتے ہیں

اب تو محمود دل کے بدلے حسیں
جیب پر ہی نگاہ کرتے ہیں

نہ بن ممبر تجھے حاصل ہے کیا آخر الیکشن سے
عبث اجداد کو اپنے نکلواتا ہے مدفن سے

جسے کہتے تھے پردا آج کل نظروں پہ حائل ہے
اگر حائل نہیں تو جان لو خارج ہے فیشن سے

حوالے دے رہے ہیں سب مشاہیرانِ یورپ کے
یہ حاجی جانے اب کعبے سے آئے ہیں کہ لندن سے

تمہارا کیا گیا برباد ہو کر رہ گئی دُنیا
کوئی پوچھے یہ مُلّا سے کوئی کہہ دے برہمن سے

بزرگانہ اُنہیں لپٹا لیا کرتے ہیں ہم اکثر
اُٹھائے جا رہے ہیں فائدے اُنکے لڑکپن سے

حقیقت ہے کہ یہ معصوم صورت
ہُوا کرتے ہیں اکثر کینے والے
اِدھر بھی مسکرا کر دیکھتا جا
دعائیں دے رہے ہیں جینے والے
خبر بھی ہے مرے زخمِ جگر کی
مرا چاکِ گریباں سینے والے
سُنا ہے ہم کو کافر کہہ رہے ہیں
محرم میں شرابیں پینے والے
نجانے کس لیئے ڈرتے ہیں اتنا
مرے کھدر سے یہ پشمینے والے

اے مرے کالے کلوٹے تیری صورت پر نثار
گلعذاروں میں تو کچھ بوئے وفا ہوتی نہیں

تیری ان بھونڈی اداؤں کے تصدق کیوں نہ ہوں
روز کے غمزوں سے اب مجھ کو رہائی مل گئی

اے وفاداری کے پتلے عہد کا پکا ہے تُو
اب مری نظروں میں کوئی بھی نہیں پیماں شکن

سبزۂ رُخ پر ترے سو ڈاڑھیاں قربان ہیں
اب کسی کے تابشِ رخسار کی حاجت نہیں

دن میں سو سو بار آ کر مجھ سے مل لیتا ہے تُو
اب ستاتا ہی نہیں مجھ کو کسی کا انتظار

کہہ نہیں سکتا ہوں میں تو کس قدر بیڈ دل ہے
اب کسی صورت مجھے تیرِ دل کا کھٹکا ہی نہیں

○

جانتا ہوں تجھ کو فرمائش کی عادت بھی نہیں
مانتا ہے تُو کہ میں عاشق بھی ہوں بیکار بھی
پھر بھی ڈرتا ہوں غلط فہمی نہ ہو جائے تجھے
یہ نہ ہو پوڈر سے ہو جائیں تجھے دلچسپیاں
یہ نہو تو سیکھ جائے سن کے انگریزی کہیں
اور بن بیٹھے کہیں "صاحب" نصیبِ دشمناں
یہ نہو تو بھی کہیں زلفیں الٹنا سیکھ لے
گو ترے گیسو ابھی منّت پذیرِ شانہ ہیں
یہ نہو ہوٹی کمر کو تو بھی لچکاتا پھرے
چال اپنی بھول جائے دیکھ کر دُنیا کی چال
گر تری حالت یہی ہونی ہے تو کہہ دے مجھے
اور کوئی کالا کافر ڈھونڈھ لوں اپنے لئے

○

اب اپنا حال کہنے کے قابل نہیں ہوں میں
باور نہ ہو اگر تو مرا حال آ کے دیکھ
پھر میری عرضداشت پہ تھوڑا سا غور کر
ان گیسوؤں کو اور ذرا سا بڑھا کے دیکھ
بس اتنی عرض ہے کہ ذرا آئینہ اُٹھا
اور پھر مرے خیال کی دُنیا میں آ کے دیکھ
دیکھا ہے تُو نے ظرف امیروں کا بارہا
اے دوست بے نواؤں کو بھی آزما کے دیکھ
دیدار اب حسینوں کا اچھا ہے دُور سے
تحقیق سے غرض ہے تو نزدیک جا کے دیکھ

———

مل گئے وہ سرِ بازار تو پھر کیا ہوگا
آگیا ہم کو اگر پیار تو پھر کیا ہوگا

ہم غریبوں کو جو مرضی ہے کہیں آپ مگر
ہم نے کچھ کہہ دیا سرکار تو پھر کیا ہوگا

ہائے کس سادگی سے پوچھتے ہیں وہ ہم سے
کھُل گئے عشق کے اسرار تو پھر کیا ہوگا

ہم کو معلوم ہیں مجبوریاں تیری لیکن
ہم اگر ہو گئے ناچار تو پھر کیا ہوگا

جن سے انصاف کی اُمید ہے وہ بھی آخر
ہو گئے تیرے طرفدار تو پھر کیا ہوگا

جب شناسائی کی صورت میں یہ عالم ہے یہاں
ہو گئے تیرے پرستار تو پھر کیا ہوگا

غضب یہ ہے وہ لیڈر بھی مجھے مخبر سمجھتا ہے
مری تنخواہ سے بڑھ کر جسے ملتا ہے روزانہ

یہ فیشن ہے کہ جدت ہے جو گھر کو گھر نہیں کہتے
کوئی کہتا ہے "منزل" کوئی "مسکن" کوئی "کاشانہ"

جہاں تعلیم کا مقصد ہی محکومی ہو غیروں کی
وہاں لوگوں کی ذہنیت نہ ہو کیونکر غلامانہ

بتاؤ تو بھلا کیا فرق ہے زاہد میں اور مجھ میں
جو میں پریوں کا شیدائی تو وہ حوروں کا دیوانہ

خدا جانے کہ میں حق پر ہوں یا سٹھیا گیا زاہد
میں کہتا ہوں کہ کالج ہے وہ کہتا ہے صنم خانہ

جسے کہتے تھے محمل آج وہ فیشن سے خارج ہے
سر بازار لیلےٰ پھر رہی ہے بے حجابانہ

مری رودادِ غم کیا پوچھتے ہو پوچھنے والو
حقیقت کی خفیفت ہے یہ افسانے کا افسانہ

روز دیدار کرتے رہتے ہیں

جیتے رہتے ہیں مرتے رہتے ہیں

نت نئے گُل کھلاتے ہیں اُس پر

نت نئے گُل کترتے رہتے ہیں

ہر طرح سے بگاڑ کر ہم کو

ہر طرح سے سنورتے رہتے ہیں

دیکھتے رہتے ہیں وہ ہنس ہنس کر

دل میں نشتر اترتے رہتے ہیں

بات کرتے نہیں ہیں تو کیا ہے

پاس سے تو گذرتے رہتے ہیں

حشر کیا ہونا ہے آخر سوچتا رہتا ہوں میں
کافروں کے بھیس میں اپنے مسلماں دیکھ کر

یا تو رکھوالے بدل جائیں گے یا اجڑے گا یہ
اب نظر آتا ہے یہ رنگِ گلستاں دیکھ کر

کیا یہ پردہ ہے کہ ہے بے پردگی حیران ہوں
پردے پڑتے ہیں کسی کا حسنِ عریاں دیکھ کر

یہ بھی ممکن ہے کہ اِس دنیا کی حوریں بھول جائیں
شیخ صاحب آپ اِس دنیا کے غلماں دیکھ کر

آ گئے ہوں جن کے امریکہ سے کپڑے کے جہاز
کیوں نہ وہ ہنس دیں ہمارا چاک داماں دیکھ کر

جذبۂ شوق والہانہ ہے
عشق ہے اور غائبانہ ہے

میری دانست میں تو اے ساقی
ساری دُنیا شرابخانہ ہے

ریشمی برقع ہو کہ ساڑھی ہو
بے حجابی کا شاخسانہ ہے

دیکھنا چاہتا ہوں لندن کو
حج کو جانا تو اِک بہانہ ہے

ڈاڑھی مونچھیں منڈا کے فرمایا
کیا کریں آخری زمانہ ہے

بھُول کر ہی کبھی چلے آؤ
راستے میں غریب خانہ ہے

اُن کی ہر اِک ادا میں محبوبی
ہر روش میری عاشقانہ ہے

میرے اُن کے تعلقات نہ پوچھ
دشمنی ہے نہ دوستانہ ہے

دل کی کھیتی اجڑ گئی محمودؔ
مالیہ ہے نہ آبیانہ ہے

○

میرے اشعار گنگناتے ہیں
سینکڑوں بار گنگناتے ہیں
شیخ صاحب کو وجد آتا ہے
جب گنہگار گنگناتے ہیں
اشک رکتے نہیں ہیں جب اپنے
چارہ ناچار گنگناتے ہیں
موت کی دھمکیاں نہ دو اُن کو
جو سرِ دار گنگناتے ہیں
ہم کلرکوں کا حال مت پوچھو
ہم ہر اتوار گنگناتے ہیں

تڑپتے تڑپتے گذاریں گے راتیں یہ ظاہر ہے جو دل سے مجبور ہونگے
ضرورت اگر آپڑی کوئی ایسی تو دیکھو گے سینوں میں ناسور ہونگے

خبر ہی نہیں تجھ کو تعزیر میں ہم کو محسوس ہوتی ہے لذت کہاں تک
تغافل پہ ہم تیرے ممنون ہوں گے ستم آزمائیے تو مشکور ہونگے

غلط ہی سہی ضابطہ تو ہے کوئی نظامِ جہاں پر تعجب ہے تجھ کو
سنا ہے یہ ہم نے وہ دن آرہے ہیں نہ آئین ہوں گے نہ دستور ہونگے

الٰہی یہ زردار مخلوق تیری عجب کیا ہے جنت بھی ٹھیکے پہ لیلے
یہ ثابت ہوا جو یہاں پہ ہیں مزدور وہ حشر کے دن بھی مزدور ہونگے

سنا ہے کہ بل پاس ہونگے کچھ ایسے بدل جائے گی بے نواؤں کی دنیا
مگر اب ذرا اتنی مشکل ہے باقی کہ جب پیش ہونگے تو منظور ہونگے

اگر بچ کے کشمیر سے آگئے تو جھنا کوں کی جھنکار سنتے رہیں گے
نہیں تو سمجھ لینا یہ اپنے دل میں کہ ہم لوگ مرحوم مغفور ہونگے

یہ تو چھوڑو کہ ہم کبھی کیا تھے
بس یہ دیکھو کہ آج کیا ہیں ہم
یہ نہ پوچھو کہ ہم پہ کیا گذری
ایک پُر درد ماجرا ہیں ہم
یہ کہو کیوں رہے جُدا تم سے
اور کیوں آج تک جدا ہیں ہم
مختصر یہ ہے اب سحر ہے قریب
ٹمٹماتا سا اِک دیا ہیں ہم
اب ہماری خبر سے کیا حاصل
مفت کے دردِ سر سے کیا حاصل

○

دیکھو مجھے دُز دیدہ نگاہوں سے نہ دیکھو
اُتنا نہیں بدنام کہ جتنا ہوں میں مشہور

سُن کر مری باتوں کو سمجھ لیتی ہے دُنیا
میں جھوٹ پہ مجبور رہوں سچ کہنے سے معذور

حالات پہ موقوف ہے دُنیا میں بہت کچھ
دیکھا ہے کہ خود دار بھی ہو جاتے ہیں مجبور

ہم ڈپٹی کے بھائی کو سمجھتے نہیں ڈپٹی
اِس واسطے معتوب ہیں اِسواسطے مقہور

کس طرح سے مانیں کہ بدلتا ہے زمانہ
ہم جس طرح مزدور تھے اس طرح ہیں مزدور

کوئی موٹر کی ہوا کھاتا ہے کوئی اس کی گرد
دیکھتا جا اس کو کہتے ہیں جہاں کے گرم سرد
جنگ سر پر ہے اُدھر اور سوچتا ہوں میں اِدھر
کس قدر ہیں عورتیں اور کس قدر ہیں ہم میں مرد
پڑھ مرے اجداد کی تاریخ گر باور نہ ہو
قوم کی قسمت بدل سکتا ہے کیونکر ایک فرد
پھر ہمیں صحرا نوردی کے دیئے جاتے ہیں طعن
پھر دکھانا ہے ہمیں کیا چیز تھے صحرا نورد
گر تجھے پاسِ اخوّت ہو تو اے سرمایہ دار
تیرے بُوٹوں پہ چمک ہو اور گرے چہرے پہ گرد

—

پکارنے کا قرینہ میں سوچتا ہی رہا
حسیں کہوں کہ حسینہ میں سوچتا ہی رہا

میں سوچتا ہی رہا کس طرف کو ساحل ہے
کدھر چلا ہے سفینہ میں سوچتا ہی رہا

نمی سی تھی دمِ رخصت کچھ ان کے آنچل پہ
وہ اشک تھے کہ پسینہ میں سوچتا ہی رہا

ترے کرم کی کوئی حد نہیں حساب نہیں
چبا گئے نانِ شبینہ میں سوچتا ہی رہا

لوگ جن کے ستم کو روتے ہیں
ہم کو اُن کے کرم نے مار دیا

اپنی دنیا بگاڑ کر ہم نے
عاقبت کو تری سنوار دیا!

اِک حسیں بھی نہ بن سکا اپنا
گو زمانے میں اشتہار دیا

اُن کو مجبور دیکھتے ہیں ہم
جن کو قدرت نے اختیار دیا

وقت جتنا صنمکدے سے بچا
مے کدے میں اُسے گذار دیا

کچھ تو یوں بھی حسین ہیں وہ محمود
کچھ اداؤں نے بھی نکھار دیا

○

بیٹھے رہتے ہیں سامنے جب تک
مجھ کو جب تک سرور رہتا ہے

اُس کو صوم و صلوٰۃ سے مطلب
جو تمہارے حضور رہتا ہے

میکدہ وہ مقام ہے کہ جہاں
آدمی باشعور رہتا ہے

پاس آکر وہ بیٹھتے ہیں مگر
فاصلہ کچھ ضرور رہتا ہے

تیرے آغوش میں جو ہوتا ہے
سب بلاؤں سے دُور رہتا ہے

جانے کرتے ہیں منتیں کب تک
جانے کب تک غرور رہتا ہے

سفینہ ڈوب رہا ہے تو کوئی بات نہیں
یہی تمہاری رضا ہے تو کوئی بات نہیں

گماں نہ تھا کہ محبت میں ٹیکس بھی ہو گا
اگر یہ جرم وفا ہے تو کوئی بات نہیں

مرا خلوص وہی اب بھی ہے جو پہلے تھا
ترا سلوک جدا ہے تو کوئی بات نہیں

مجھے تمہاری خوشی کا خیال رہتا ہے
زمانہ مجھ سے خفا ہے تو کوئی بات نہیں

جو تجھ کو جانتے ہیں یوں بھی جان لیتے ہیں
نقاب اوڑھ لیا ہے تو کوئی بات نہیں

تمہارے نام پہ دُنیا نے مجھ کو لوٹا ہے
جو تم نے لوٹ لیا ہے تو کوئی بات نہیں

جو ہم پہ گذری ہے محمودؔ ہم ہی جانتے ہیں
اب اُن پہ حشر بپا ہے تو کوئی بات نہیں

ہم کو جن سے کرم کا شکوہ تھا
آج وہ ظلم بھی نہیں کرتے

کام ہم سے جو ہو نہیں سکتا
کام ہم وہ کبھی نہیں کرتے

دشمنی چاہتے نہیں ہیں ہم
اس لئے دوستی نہیں کرتے

نوکری اور ہو نہیں سکتی
اور اب بندگی نہیں کرتے

ہم اُسے پوجتے ہیں اے زاہد
کوئی سوداگری نہیں کرتے

اِک حسین روز ساتھ ہوتا ہے
مستقل عاشقی نہیں کرتے

جھوٹ ہوتا ہے سچ بھی ہوتا ہے
ہم نری شاعری نہیں کرتے

جھوٹ کہتا ہوں اور بے کھٹکے
کون سچ کہہ کے دار پر لٹکے

اب زمانہ ہے بے حجابی کا
شرم کیا ہے جو پاس بھی پھٹکے

وہ نہ سمجھے ہزار سر مارا
وہ نہ مانے ہزار سر ٹپکے

کیا کہیں کیسے آسماں سے گرے
اور کیوں کر کھجور میں اٹکے

حق کے رستے سے ہم تو بھولے تھے
شیخ جی آپ کس طرح بھٹکے

مر گئے تو کمال کیا ہوگا
یعنی اُن کو ملال کیا ہوگا

جانے سمجھا تھا ہم نے کیا دل میں
جانے اُن کو خیال کیا ہوگا

اے ریاکار کیا خبر تجھ کو
مے کشوں کا مآل کیا ہوگا

جل گئیں کشتیاں تو مت پوچھو
ناخداؤں کا حال کیا ہوگا

ہم فقیروں سے پوچھتے کیا ہو
جانتے ہو سوال کیا ہوگا

○

اب ہمیں جرأتِ دیدار نہیں ہے خود بھی
اب ہمیں دیکھ کے شرمانے کی تکلیف نہ کر

نوجوانانِ وطن کیا تجھے معلوم نہیں
اے مقرر!! انہیں گرمانے کی تکلیف نہ کر

فاضلوں ہی کے لئے کرسیاں مخصوص نہیں
آج اولاد کو پڑھوانے کی تکلیف نہ کر

کوئی فریاد سنانے کا ذریعہ ہے تو خیر
ورنہ درخواست کے لکھوانے کی تکلیف نہ کر

کھو دئے ہوش مرے ریشمی آنچل نے ترے
اب اسے چہرے سے سرکانے کی تکلیف نہ کر

———

○

دمِ تقریر اُردو میں ملا دیتا ہوں انگریزی
یہ فیشن تو نہیں ہے قابلیت کی نمائش ہے

حوالے دوں تو کیوں اپنے بزرگوں کے مقولوں کے
مجھے اقوال ازبر ہیں مشاہیرانِ لندن کے

کہا میں نے کہ میری جان بھی کام آئیگی تیرے
تو بولے مال کے بارے میں بھی اظہار کر دیجے

اگر مزدوریوں پر بھی اُتر آئیں پڑھے لکھے
ستائش کی بجائے لوگ کہہ دینگے کہ مخبر ہیں

سزاوارِ محبت ہوں مگر اے جانِ محبوبی
محبت کی نہیں میں نے محبت ہو گئی مجھ کو

قدیمی غلامو مبارک ہو شاہی — ہماری تو میراث ہے کج کلاہی
مری بد نصیبی کہاں تک رہے گی — کہاں تک رہے گی تری کم نگاہی
خدائی کے دعوے ہیں بندوں کو تیرے — کریں بندگی کس کی ہم یا الٰہی
ستم دیکھنے لُوٹتے تھے جو ہم کو — اُنہیں کے حوالے ہوئی دادخواہی
نجانے گناہوں کی پاداش کیا ہو — مرا جرم ہے جب مری بے گناہی
وہ اپنی صفائی میں کہتے ہیں اکثر — تمہارے مقدر میں ہے روسیاہی

کہے پر نہ محمودؔ کے جایئے گا
عموماً وہ کہتا ہے واہی تباہی

کوئی جانے تو ان کو پہچانے
کتنے ہشیار ہیں یہ دیوانے

مری رودادِ غم سنو تو سہی
بھول جائیں گے تم سے افسانے

پرمٹوں کے سوا نہیں بنتے
جھونپڑوں کی بجائے کاشانے

منتقل ہو رہے ہیں سنتا ہوں
ہوٹلوں میں کئی صنم خانے

ہم کو مطلب ہے تیری آنکھوں سے
کیا ہوا بند ہیں جو میخانے

ہم کو محمود کیا بتوں سے غرض
ہم نے توڑے ہوئے ہیں بت خانے

○

سفارشوں پہ نہیں کامیابیاں موقوف
سفارشوں کے علاوہ جتن کچھ اور بھی ہیں

کسی کو جرأتِ اظہار ہی نہیں سرکار
اگرچہ میرے شریکِ سخن کچھ اور بھی ہیں

سنگار پہ ہی نہیں بانکپن کا دار و مدار
مرے وطن کے جواں بانکپن کچھ اور بھی ہیں

جو کہہ رہے ہیں بنائیں گے سومنات کو ہم
اُنہیں خبر ہی نہیں بت شکن کچھ اور بھی ہیں

وطن میں اپنے نہیں میں ہی اِک پناہ گزیں
مری طرح مرے اہلِ وطن کچھ اور بھی ہیں

○

لُوٹ تھی لوگ اُدھر مال جہاں تک پہنچے
ہم ادھر میکدے سے کوئے بتاں تک پہنچے

درد وہ درد نہیں جس کا مداوا ہو جائے
شکوہ وہ شکوہ نہیں ہے جو زباں تک پہنچے

ہم اگر مارے بھی جائیں تو کوئی بات نہیں
اُن کے لُٹنے کی خبر سارے جہاں تک پہنچے

کرفیو شہر میں ہر ایک طرف نافذ تھا
باوجود اس کے بھی ہم تیرے مکاں تک پہنچے

اس کو کہتے ہیں ترقی کے مدارج محمودؔ
گھر سے ہوٹل میں تو ہوٹل سے دُکاں تک پہنچے

———

○

اب اپنی مملکت ہے اور اب اپنا اختیار
خود مالکِ مکاں ہیں خود ہی کرائے دار
اُن کے دلوں کے حال کی تجھ کو خبر نہیں
معصومیّت ہے جنکی نگاہوں سے آشکار
ثابت نہ کر سکے وہ مرا جرم تو کہا
یہ آدھا کامیونسٹ ہے اور آدھا خاکسار
سنتا ہوں خاص طور پہ اکثر سفید پوش
ہوتے ہیں عام طور پہ اکثر سیاہ کار
محمودؔ کوئی اور جو کہتا تو بات تھی
اب مے فروش بھی مجھے کہتے ہیں بادہ خوار

گرچہ اظہارِ حق سے ہیں معذور
پھر بھی ہم کچھ نہ کچھ کہیں گے ضرور

آپ شرمندہ ہو رہے ہیں یونہی
آپ کی ہر خطا ہمارا قصور

دیکھنا تو مرے وطن کا جواں
چشمِ بد دور سر سے پا تک خور

اہلِ زر ہیں خدا کے ہمسائے
ہم ہیں مزدور ہم خدا سے دور

کس طرح حالِ دل کہیں محمود
پہلے ناچار تھے تو اب مجبور

منظومات

کنٹرول

پر سرِ پیکار تھی شاہنشہی　　اور غریبوں کی مرمت ہو گئی
چائے اور چینی کو اب کیا دیجئے　　آٹے میں جو کی شراکت ہو گئی
ریزگاری ہے نہ اب وہ روزگار　　نوٹ کی پیسے کی عزت ہو گئی
تیل پہ مٹی کے ڈالو خاک اب　　ماچسوں پہ بھی قیامت ہو گئی
اک کفن اور دفن سرکاری ہے اب　　اور جو ہونی تھی حالت ہو گئی
کیا کہیں وجہ لباسِ کہنگی　　مختصر یہ ہے کہ عادت ہو گئی
یہ گرانی اور یہ بے مائیگی　　کیا قیامت پر قیامت ہو گئی
ہو گیا ہر چیز پہ اب کنٹرول　　لو شکستِ دل کی قیمت ہو گئی

کی اگر محمود ایسی شاعری
بس سمجھ لینا ضمانت ہو گئی

ووٹ[*]

اک آنکھ ہے قیوم[1] تو اک آنکھ ہے نشتر[2]
لازم ہے کہ دونوں کو ملیں ووٹ برابر
مومن تو مساوات کا حامی ہے ازل سے
پوشیدہ کسی سے بھی نہیں اُس کا یہ جوہر
لیکن کئی ایسے بھی منافق ہیں ہمیں میں
ظاہر میں مسلماں ہیں تو باطن میں ہیں کافر
اُن کی یہ تمنا ہے کہ جیسے بھی ہو ممکن
آپس میں اُلجھ جائیں کسی طرح سے ووٹر
بھولے سے بھی ان لوگوں کے کہنے میں نہ آنا
مقصود ہے ان کا تمہیں آپس میں لڑانا

[*] الیکشن ۴۶ء

[1] آنریبل خان عبدالقیوم خان

[2] آنریبل سردار عبدالرب نشتر

حقائق

ہم دیسی ہیں لیکن اکثر — انگریزی بال بناتے ہیں
شاعر ہیں اور قومی نظمیں — پڑھنے کی بجائے گاتے ہیں
مردی کے زعم میں ہیں لیکن — ڈاڑھی مونچھیں منڈواتے ہیں
گو سرخی پوڈر ملتے ہیں — پھر بھی کالے کہلاتے ہیں
نکمائی کے پھندے میں پھنس کر — آزادی کے گن گاتے ہیں
مل لیتے ہیں ڈپٹی کمشنر سے — جب حج کی خاطر جاتے ہیں
بیواؤں کے حق چھینتے ہیں — مسکینوں کو دہلاتے ہیں
کھیتوں کے مالک ہیں لیکن — پھینکی ہوئی روٹی کھاتے ہیں
کپتانوں کو کرنیلوں کو — ہم اپنے عزیز بتاتے ہیں
فاقہ کش خویش و اقارب سے — ملنے میں بھی شرماتے ہیں
ہم حسب و نسب کے افسانے — پڑھتے ہیں یا دہراتے ہیں
ہمت سے ہم کو کام نہیں — محنت سے جی کتراتے ہیں
ہم تعزیروں کے عادی ہیں — تدبیروں سے گھبراتے ہیں

"پارسائی"

صحیح اگرچہ نہیں ہے مگر غلط بھی نہیں
کہ پارساؤں کے فیشن سے اجتناب کرو
مری مراد نہیں ہے کہ پارسا نہ بنو
اور اپنی عمرِ دو روزہ کو تم خراب کرو
غرض یہ ہے کہ مساجد میں جاؤ تو لیکن
کچھ اِس طرح کہ حقیقت کو بے نقاب کرو
نہیں کہ ہاتھ میں تسبیح لیکے سڑکوں پر
زمانے بھر کے حسینوں کا تم حساب کرو
تخیّلات کی دُنیا بدل گئی محمودؔ
نہ تم دماغ کو اپنے عبث خراب کرو

وزارت ۱۹۳۶ء

جو مطمئن کسی صورت سے ہو نہیں سکتے
وزارتوں کو وہی اختیار کرتے ہیں

وہ اپنے ذاتی مقاصد کو سامنے رکھ کر
غریب فاقہ کشوں کا شکار کرتے ہیں

بدن میں خون کی اِک بوند بھی نہیں جنکے
لگا کے ٹیکس انہیں زیر بار کرتے ہیں

وطن پرست جو رجعت پسند ہوں تو بھلا
عوام اُن پہ کہاں اعتبار کرتے ہیں

بتائیں تو، جنہیں "آئین نو" سے نفرت تھی
وہ کس خیال سے قائم وقار کرتے ہیں

خدا کا شکر ہے وہ لوگ بھی ہیں دنیا میں
جو اپنی جاں وطن پر نثار کرتے ہیں

مسلمان اور الیکشن

جو ہے پاسِ ملّت مسلمان زادو
تو آپس کے سب تفرقوں کو مٹا دو

گیا وہ نفاق و حسد کا زمانہ
زمانے کے بچھڑے ہوؤں کو ملا دو

الیکشن کے پڑتے ہیں ہے آزمائش
یہاں اپنے سر دھڑ کی بازی لگا دو

تمہیں نے ہے اس بحر سے پار ہونا
توکّل پہ اپنے سفینے بہا دو

حقیقت تو ہو جائے گی آشکارا
گر آئینۂ دل کو اپنے جلا دو

جہادِ فلسطین

اپنی ملّت سے جو اُلفت ہے فلسطین کو چل
قوم کو تیری ضرورت ہے فلسطین کو چل
گر تجھے شوقِ شہادت ہے فلسطین کو چل
چل ترے سامنے جنت ہے فلسطین کو چل

حیف قابض ہوں ترے قبلۂ اوّل پہ یہود
اُس کی ذلّت تری ذلّت ہے فلسطین کو چل
گر محمدؐ کی غلامی کا شرف ہے تو نہ سوچ
گر تجھے پاسِ اخوّت ہے فلسطین کو چل
امتحاں ہے یہ تری غیرت و خودداری کا
اب یہی شرطِ حمیّت ہے فلسطین کو چل

مُدرّس کی نصیحت

کان دھر کر سُنو ذرا بچّو　　اپنے اُستاد سے سبق سیکھو
وہ بھی پڑھتا تھا مدرسے میں کبھی　　وقت کی لیکن اس کو قدر نہ تھی
کھیل سے تھی اُسے بڑی اُلفت　　اور پڑھنے سے اُس کو تھی نفرت
جس سے وہ پے بہ پے ہوا ناکام　　آخرش اُس کا یہ ہوا انجام
اُسکے ساتھی اور اُسکے ہم مکتب　　پڑھ گئے اور پا گئے منصب
اور وہ ہے کہ آج بے بس ہے　　ٹپریری بسا اِک مدرس ہے

یہ کہانی نہیں ہے اے بچو
اپنے اُستاد سے سبق سیکھو

سر محمد اقبال علیہ الرحمۃ

واقعی اقبال تو اقبال تھا
کس قدر تجھ کو خیالِ حال تھا

تیرا ہر پیغام اِک الہام تھا
تھی نہ کچھ تخصیص فیضِ عام تھا

زندگی اور امتیازِ زندگی
تھا تجھے معلوم رازِ زندگی

شاعری میں تھا تری درسِ عمل
تیرا ہر اِک فلسفہ تھا بر محل

تجھ سے قائم شاعروں کی آن تھی
اور ثابت حریّت کی شان تھی

اپنے ہم جنسوں سے اب منہ موڑ کر
چل دیئے کیوں ان سے رشتہ توڑ کر

اب ''گلے شکوے'' کی طاقت کس میں ہے
ایسی جرأت ایسی ہمت کس میں ہے

رازِ سربستہ کرے گا بے نقاب
کون دیگا اپنے ''شکوے'' کا جواب

وہ محقّق وہ محدث اُٹھ گیا
جو بھی کہنا تھا کہا اور چل دیا

روشِ زمانہ

آ ذرا قوم کی خدمت بھی کریں
جمع اپنے لئے دولت بھی کریں
آ ذرا تھوڑا سا چندہ کر لیں
آ ذرا پیٹ کا دھندا کر لیں
آ ذرا جیل کے در تک ہو آئیں
آ ذرا تھوڑے سے لیڈر بنجائیں
آ ذرا غازیوں میں نام لکھائیں
اور کشمیر کو پھر جائیں نہ جائیں
آ وطن میں ہی مسافر بن جائیں
آ وطن میں ہی مہاجر بن جائیں
آ کہ اندازِ کہن بدلا ہے
اب زمانے کا چلن بدلا ہے

حضرت مولانا ظفر علیخاں مدظلّہ

نئی تہذیب کے مجدّت طرازوں سے کوئی کہدے
پُرانا فلسفہ داں آج پھر سرحد میں آیا ہے
وہ جس نے عمر کا اک بہترین حصّہ مسرت سے
مسلمانوں کی خاطر جیل خانوں میں گنوایا ہے
وہ جس نے جز خدائے لم یزل کے غیر کے آگے
نہ اپنے ہاتھ پھیلائے نہ اپنا سر جھکایا ہے
وہ جس کی شاعری کو حاملِ الہام کہتے ہیں
سبق آموز جس سے آج تک اپنا پرایا ہے
فدائے ملک و ملّت جس کو کہتے ہیں جہاں والے
ہمیشہ یاد رکھیں گے جسے ہندوستاں والے

نوکری

گر میسّر گورنری ہوتی
نوکری پھر بھی نوکری ہوتی

نوکری ہے کہ ہے ضمیر کشی
نوکروں کو کہاں نصیب خوشی

اِن کی مظلومیاں معاذاللہ
ان کی محکومیاں معاذاللہ

زندگی مستقل عذاب ان کی
پوچھ مت حالتِ خراب اُنکی

نیند میں بھی جھجکتے رہتے ہیں
افسروں سے تھرکتے رہتے ہیں

پوچھتے کیا ہو انکے ایماں کی
بندگی کرتے ہیں یہ اِنساں کی

دیکھ ان کے نصیب کی دُوری
کر نہیں سکتے عذرِ مجبوری

سارے حالات کس طرح لکھوں
کیونکہ فی الحال خود بھی نوکر ہوں

مظلومینِ بہار

تمہارے بھائی خبر ہے تمہیں مسلمانو
تڑپ رہے ہیں کہاں اور سسک رہے ہیں کہاں
یہ جانتے بھی ہو گذرے ہیں اُن پہ کتنے ستم
وہ آج بھوک کے ہاتھوں بلک رہے ہیں کہاں
تمہیں خبر بھی ہو کیونکر کہ تم خمار میں ہو
یقیں تو جب تمہیں آئے کہ تم بہار میں ہو
وہ سر زمیں کہ جہاں جرم ہے مسلمانی
جہاں کفن نہیں ملتا کسی مسلماں کو
جہاں مجال نہیں لب ہلا سکے کوئی
شہید ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں قرآں کو

تمہیں خبر بھی ہو کیونکہ کہ تم خمار میں ہو
یقیں تو جب تمہیں آئے کہ تم بہار میں ہو
جہاں ہوئے ہیں ستم اِس قدر مسلماں پر
مثال جن کی زمانے میں ہو نہیں سکتی
گلے پہ چلتی ہے بچّے کے ماں کے سامنے تیغ
بچاری دیکھتی ہے اور رو نہیں سکتی
تمہیں خبر بھی ہو کیونکہ کہ تم خمار میں ہو
یقیں تو جب تمہیں آئے کہ تم بہار میں ہو
تم اُن کے دکھ میں برابر کا ساتھ دو جاکر
تمہارے دل میں اگر درد ہو اخوّت کا
دکھا دو کُفر کو اسلامیوں کی شانِ قدیم
جو تم کو پاس ہو اپنے نبیؐ کی عظمت کا
تمہیں خبر بھی ہو کیونکہ کہ تم خمار میں ہو
یقیں تو جب تمہیں آئے کہ تم بہار میں ہو
یہ کیا کہ جلسوں میں تقریریں سنتے رہتے ہو

تمہیں مٹانے کی تدبیریں کر رہا ہے جہاں
بہ رب کعبہ اگر اب بھی تم سمجھ نہ سکے
رہیگا پھر نہ جہاں میں تمہارا نام و نشاں
تمہیں خبر بھی ہو کیوں کر کہ تم خمار میں ہو
یقیں تو جب تمہیں آئے کہ تم بہار میں ہو

ایک کپتان سے خطاب

آج انجان ہو تم پہلے تو انجان نہ تھے
آج کپتان ہو تم پہلے تو کپتان نہ تھے

اب ملاقات نہیں ہوتی اجازت کے بغیر
اس سے پہلے تو کسی طور یہ اعلان نہ تھے

اب ہمیں کہتے ہو بے بہرہ ہو تہذیب سے تم
پہلے گنوار نہ تھے پہلے تو نادان نہ تھے

اب یہ دزدیدہ نگاہی کی شکایت ہے تمہیں
کیا ہمیں پہلے تری دید کے ارمان نہ تھے

آج احکام بجا لانے نئی بات نہیں
سچ بتا پہلے بھی ہم تابع فرمان نہ تھے

آج عائد ہیں تو کیوں کفر کے فتوے ہم پر
اس سے پہلے بھی تو ہم اتنے مسلمان نہ تھے

بات کیا ہے کہ وہ اقرار بھی تم بھول گئے
اپنے دیرینہ وفادار بھی تم بھول گئے

خادمِ قوم

سنہ ۱۹۳۰ء

جاری کرتے تھے مرے نام پہ وارنٹ جو لوگ
ناطقہ بند ہے اب انکا مرے ہاتھوں سے
میرے پیچھے کبھی پولیس پھرا کرتی تھی
اب مقرر ہے مرے بنگلے پہ پولیس کا گارڈ
کبھی پٹواری بھی ڈرتا تھا مجھے ملنے سے
اب کمشنر کے لئے فخر ہے ملنا میرا
قوم سر دُھنتی تھی سن کر مرے نالوں کو کبھی
اب گورنر کو مری باتوں پہ وجد آتا ہے
جیل خانہ کبھی ہوتا تھا مرا صدر مقام
اب کبھی نتھیا گلی ہے تو کبھی شملہ ہے

پہلے کہتے تھے مجھے خاک نشیں اہلِ وطن
اب مجھے کرُسی نشیں، صوفہ نشیں کہتے ہیں

نام سے پہلے تھا مرقوم مرے "خادمِ قوم"
اب مرے نام کے بعد آتا ہے "صاحب" کا لقب

شک نہیں ہے میں کبھی قوم کا خادم تھا مگر
خدمتِ قوم کی حد بھی کوئی ہوتی ہے ضرور

ہنرمندی

علم کی دولت سے مالا مال ہوں — لوگ کہتے ہیں کہ میں کنگال ہوں
ٹھیک ہے جب سے ملی ہیں ڈگریاں — آئے دن ہوتی ہیں میری ترقیاں
نوکری ملتی ہے تو دس بیس کی — آج جو تنخواہ ہے سائیس کی
اور وہ سائنس پھر سائنس ہے — اُس کے بچّوں کی نہ کوئی فیس ہے
اصطبل اُس کا ٹھکانا اُس کا گھر — اور مجھے گھر کے کرائے کا خطر
اُس کو آتے ہیں لنگوٹی میں مزے — اور میں بیزار ہوں پتلون سے
وہ مسافر رہ کے بھی خوشحال ہے — اور وطن میرے لئے بنگال ہے
اللہ اللہ یہ تفاوت دیکھئے — علم کی یہ قدر و قیمت دیکھئے
کاش ذہنیت نہ یہ ہوتی مری — پھر تو کیفیت نہ یہ ہوتی مری
نوکری کچھ اور ہے تعلیم اور — بندگی کچھ اور ہے تعظیم اور
نوکری معیارِ انسانی نہیں — نوکری تائیدِ ربّانی نہیں

علم سے ہوتی ہے گو حاصل تمیز — ہے جہاں میں کچھ ہنرمندی بھی چیز

ہے ہنرمندوں کا دنیا میں وقار — ان کی ہر اک بات کا ہے اعتبار

صاحبِ فن ہیں کما لیتے ہیں وہ — اپنی بگڑی خود بنا لیتے ہیں وہ

ان کی بنیادیں بڑی مضبوط ہیں — ان کی اولادیں بڑی مضبوط ہیں

ان کی قسمت میں کوئی خواری نہیں — "انجینئر" ہیں وہ "پٹواری" نہیں

ان کے ہاتھوں میں ہے قسمت کی لگام — وہ نہیں کرتے ہیں جھک جھک کر سلام

وہ عمل پر ہر گھڑی آمادہ ہیں
صنعت و حرفت کے وہ دلدادہ ہیں

۱۴ اگست

یومِ آزادی ہے اور ہم آج سے آزاد ہیں
بیٹھ جائیں جس جگہ کوئی اٹھا سکتا نہیں
خواہ بھوکے ہیں تو کیا ہم خواہ ننگے ہیں تو کیا
بادشاہی پر ہماری حرف آ سکتا نہیں
کیا یہ کم ہے اپنی دولت جاتی ہے اپنوں کے پاس
رشوتیں اب کوئی بیگانہ تو کھا سکتا نہیں
اپنی بگڑی کس طرح ہم نے بنائی ہے نہ پوچھ
اپنی بگڑی اِس طرح کوئی بنا سکتا نہیں
شکر ہے اب یہ تو کہہ سکتے ہیں ہم آزاد ہیں
گو ہمارے جاننے والے بڑے نقاد ہیں

انتخابات

انقلابات ہونے والے ہیں / انتخابات ہونے والے ہیں

جیسے حالات تھے کبھی پہلے / ویسے حالات ہونے والے ہیں

بھائی بھائی میں، باپ بیٹے میں / اختلافات ہونے والے ہیں

زیر دستوں کے زور دستوں سے / ایک دو ہات ہونے والے ہیں

برسرِ عام راز کھلتے ہیں / انکشافات ہونے والے ہیں

جلسہ گاہوں میں ماہ پاروں سے / التفاتات ہونے والے ہیں

پھر مچلتا ہے دل کہ سچ کہہ دیں
پھر حوالات ہونے والے ہیں

فرمودۂ اقبال

"محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند"
یہ سچ ہے مگر وہ جواں اب کہاں
عزائم تھے جن کے یہاں تک بلند
جو ہیں بھی تو بالفرض یہ جانئے
ہیں شیروں کے ملبوس میں گوسفند
سبق بھولتے گر نہ اجداد کا
زبوں حال ہوتے نہ یوں دردمند
یہ حالت ہے اُن کی بقولے کسے
"نشستند و گفتند و برخاستند"

نوجوان

نہ آئے گی انہیں غیرت وطن پر
ہمارے نوجوانوں کو نہ چھیڑیں
کوئی اُکسائے تو کہتے ہیں اُس سے
ہمارے بدلے آپ اپنی نبیڑیں
بہت اجداد کے قصّے سنے ہیں
کہاں تک ہم گڑے مُردے اکھیڑیں
ہمیں رہنے دیں اپنے حال پر ہی
کہ ہم ہیں حضرت عیسیٰؑ کی بھیڑیں

شہرت

کہا سیّدؔ[1] سے یہ جا کر کسی نے
کہ ناواقف ہے مجھ سے اِک زمانہ
کوئی تدبیر ہو تو خیر، ورنہ
نہ چھوڑوں گا کبھی یہ آستانہ
کہا سیّدؔ نے شہرت چاہیئے تو
بنا کر بھیس اپنا راہبانہ
ہماری شان میں گستاخیاں کر
تجھے پہچان جائے گا زمانہ

[1] سر سیّد احمد خاں مرحوم

عروسیٔ امداد[1]

ماجرا کیا ہے کہ ہوں آج میں شاداں شاداں
کیا سبب ہے کہ ہوں اس درجہ میں فرحاں فرحاں
بات کیا ہے کہ مری روح بھی مسرور ہے آج
مجھ کو ہر شخص نظر آتا ہے خنداں خنداں
گونجتی ہے مرے کانوں میں صدا نغموں کی
اور نظر آتی ہے دُنیا مجھے رقصاں رقصاں
ہو نہ ہو میرزا امداد کی شادی ہے ضرور
جب تو ہر سمت نظر آتے ہیں مہماں مہماں
دیکھو سرپوش اُٹھے دیگوں کے منہ سے دیکھو
کیا دھواں ان سے نکلتا ہے پیچاں پیچاں

[1] مرزا امداد حسین بیگ ایم اے۔ بی ٹی

قورمہ ہے تو پلاؤ بھی ہے . بریانی بھی
گرم دا کوت پلیٹوں میں ہے لرزاں لرزاں
ہیں کہیں محوِ تکلّم کوئی ہم سے دوچار
کہیں مل بیٹھے ہیں آپس میں ہی خُوباں خُوباں
لو وہ باندھا گیا سہرا ابھی سیر بزم اُسے
جس کا ہر پھول نظر آتا ہے بُستاں بُستاں
اور پھر کاریگری اُس میں ہوئی ہے ایسی
دیکھ کر لوگ جسے ہوتے ہیں حیراں حیراں
ساتھ ہی چہرے کی لیتا ہے بلائیں جُھک کر
سر سے لے تا بقدم ہوتا ہے قرباں قرباں
ہو مبارک تجھے امداد یہ تیری شادی
اور تو دُنیا میں ہمیشہ رہے شاداں شاداں

سرحد کے لالے

سنا ہے کہ دلی میں سرحد کے لالے
مکانوں کے نیچے دکانوں کے آگے
قطاروں کی صورت میں بیٹھے ہوئے رو رہے تھے
مقدر کی برگشتگی اور کیا ہے
مصائب اور آلام کی انتہا ہے
رہائش کو ملتے نہ تھے پاٹ شالے
وہ بابو، وہ منشی، ایڈیٹر، کلکٹر
وہ رائے بہادر، اسسٹنٹ کمشنر
وہ سڑکوں پہ کاروں میں ہر شام کو پھرنے والے
اُتر آئے ہیں پھر سے مجبور ہو کر
اُسی اپنے آبائی پیشے پہ اکثر
پڑے بیچتے ہیں وہ مرچیں مسالے
لنگوٹی سنبھالے۔
سنا ہے کہ دلّی میں سرحد کے لالے

مکتوبِ محمود[۶۴۸]

اے میرے مہربان مرے بے مثال دوست
اے میرے رازدار مرے ہم خیال دوست
ممکن نہیں کہ ہو ترے مکتوب کا جواب
اے شعر و شاعری کے درخشندہ آفتاب
حیراں ہوں سوچتا ہوں کروں عرض کس طرح
خود کو قصور وار کروں فرض کس طرح
دہلی پہنچ کے خط نہیں لکھا بجا سہی
یہ میری کاہلی سہی میری خطا سہی
لیکن ہر اک خطا کی تلافی بھی ہوتی ہے
یعنی سزا کے بعد معافی بھی ہوتی ہے
پھر یہ خطا تو ایسی خطا تھی کہ کیا کہوں
بہتر تو ہے یہی کہ میں خاموش ہو رہوں

خاموشیوں کو میری بہانہ نہ جانیئے
یعنی حقیقتوں کو فسانہ نہ جانیئے
بس یہ خیال کیجیئے کابل۔ وہ شہر ہے
پردیسیوں کے حق میں جو لعنت ہے قہر ہے
یہ سرزمیں وہ ہے جہاں آئین ہی نہیں
اور اِس کے ساکنوں کا کوئی دین ہی نہیں
مِلّت سے واسطہ ہے نہ اسلام سے غرض
پھیلا ہوا ہے ان میں بھی تقلید کا مرض
لڑکوں کو دیکھئے تو وہ گیسو بڑھاتے ہیں
پھر عورتوں کی طرح سے پوڈر لگاتے ہیں
دیکھو جو لڑکیوں کو تو زلفیں کٹاتی ہیں
ہر ایک راہ رو سے نگاہیں لڑاتی ہیں
قول و قرار ہوتے ہیں رستوں میں ہی مدام
اس سے غرض نہیں کہ ہے کیا چیز ننگ و نام

ہمراہ یورپینوں کے وہ گھومتی بھی ہیں
ہاتھوں کو لیکے ہاتھوں میں وہ چومتی بھی ہیں
اور شوہروں کو ان کے نہ غیرت نہ عار ہے
فیشن کا بھوت ان کے سروں پہ سوار ہے
یہ دیکھ دیکھ کر مرا دل خون ہوتا تھا
اسلامیوں کے حال پہ دن رات روتا تھا
خط لکھ کے بھیجنے کا مجھے ہوش ہی نہ تھا
ورنہ میں اتنا وعدہ فراموش بھی نہ تھا
اب آر، پی، اے، ایف میں ملازم تو ہوں ضرور
لیکن نہ پوچھئے مرا دفتر ہے کتنی دور
پھر اس پہ مستزاد یہ روزوں کی برکتیں
لمبی مسافتیں کہیں گرمی کی شدتیں
دنیا تمام ہوتی ہے اِس حد پہ آن کر
جاتا ہوں اپنے دل میں یہ ہر روز ٹھان کر

استعفےٰ دوں گا جاتے ہی اِس نوکری سے آج
دنیا میں اور بھی تو ہزاروں ہیں کام کاج
پھر دل صلاح دیتا ہے چھوڑ اِس خیال کو
تکلیف ہوتی رہتی ہے ہر باکمال کو
آخر اِس آئے دن کی صعوبت کو دیکھ کر
بالفرض چھوڑ دوں بھی میں یہ نوکری اگر
سمجھے گا ہر کوئی کہ یہ میرا قصور تھا
لیکن نہ یہ کہے گا کہ دفتر بھی دُور تھا
اب مجلسِ فرازؔ[1] کی بابت نہ پوچھئے
کس درجہ مجھ کو اُس سے ہے نسبت نہ پوچھئے
خود اپنا پردہ آپ اٹھانے سے فائدہ
خود اپنی سرگزشت کے سُنانے سے فائدہ؟
ہے کس طرح۔ کہو ایبٹ آباد کی فضا
لوگوں کے منہ سے ہیں نے تو اکثر یہ ہے سنا

[1] سید احمد شاہ فرازؔ

آتی ہیں گرمیوں میں یہاں ایسی ہستیاں
اللہ جن کے حال پہ ہوتا ہے مہرباں
معلوم ہی نہیں جنہیں غربت کی لعنتیں
لکھی ہوئی ہیں جن کے نصیبوں میں راحتیں
آباد جن کے دم سے ہیں میخانے رات دن
چلتے ہیں جن کی بزم میں پیمانے رات دن
جو صاف کہنے والوں کو دشمن سمجھتے ہیں
جو بے نقاب پھرنے کو فیشن سمجھتے ہیں
آزاد ہو کے جن کو غلامی عزیز ہے
جو اب بھی کہتے ہیں ہمیں ٹامی عزیز ہے
تہذیب کا نہیں ہے جنہیں اپنی احترام
رکھتے ہیں اپنے نام بھی انگریزیانہ نام
شوکت[1] حسین[2] وادی کی بابت یہ مختصر
میں نے سنا ہے جانے یہ سچ ہے تو کس قدر

[1] پروفیسر شوکت واسطی ایم اے

[2] ایبٹ آباد

یہ کیا کہ عید پر ہے ملاقات کا خیال
ہے مجھ کو ایک ایک گھڑی ایک ایک سال
اللہ کے لئے یہ ستم تو نہ ڈھایئے
اب تاب انتظار نہیں جلد آیئے

"شاہکار"

اِدھر آؤ میں تم کو شہکار اپنا سناؤں
ترقّی پسندی کا نقشہ دکھاؤں
("ترقّی پسندی کو گر ابتدا ہی میں شاعر بنا لیتے مشرب، تو اس وقت ﮯ
دنیا میں جتنی کتابیں ہیں سب نظم کی صورتوں میں رقم ہو کے بکتیں"
کوئی باگڑی والا گر باگڑی بیچتا بھی تو دُنیا سمجھتی
کہ اِس کا تخیل تو دیکھو)

ﮯ یہ ایک ہی مصرعہ ہے۔

قِطعات

رشوت

حقیقت کی تجھ کو خبر ہی نہیں ہے
نہ دیکھ اِن کے ظاہر کو میرے مربّی
کمائی پہ رشوت کی اکثر بنے ہیں
یہ گھر جن پہ لکھا ہے مِنْ فَضْلِ رَبّی

فیشن

دیکھیے کیا رنگ لائے یہ پسند
نت نئے فیشن ہمیں بھانے لگے
بیبیاں قوّالیاں کرنے لگیں
اور شوہر وجد میں آنے لگے

انگریزی

ہم غریبوں سے آپ کیوں صاحب
مُفت کے جھگڑے مُول لیتے ہیں
آپ کی طرح سے تو انگریزی
خانسامے بھی بول لیتے ہیں

قائدِ ملّت

سُنتا ہوں ہو گئے ہیں لیاقت علی شہید
کہتے ہیں جا بجا یہ مسلماں دعا کے بعد
مرتے ہوئے بھی قوم کو پیغام دے گئے
"اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد"

دوست

دوستوں پر مجھے تعجّب ہے
آخرش کوئی واردات بھی تھی
وقت سے پیشتر ہی بھاگ گئے
وقت پر بھاگتے تو بات بھی تھی

سِنگاردانی

وہ سُوٹ کیس لئے پھر رہے ہیں ہاتھوں میں
نہ جانے کونسے فیشن کی یہ نشانی ہے
سبب جو پوچھا تو بولے تجھے خبر ہی نہیں
یہ سوٹ کیس نہیں ہے سنگاردانی ہے

بات

خوب تڑپا کے بات کرتے ہیں
یعنی ترسا کے بات کرتے ہیں
جو بھی کہنا ہو بھُول جاتا ہوں
جب وہ شرما کے بات کرتے ہیں

احباب پروری

ہم اپنی حد سے گذرتے تو کوئی بات بھی تھی
وہ ہم پہ نام بھی دھرتے تو کوئی بات بھی تھی
کہے تو کس طرح احباب پروروں سے کوئی
عوام پروری کرتے تو کوئی بات بھی تھی

بارش

ایسی بارش ہوئی ہے دلّی میں
کوئی بازار جس سے کھُل نہ سکا
کہتے ہیں باوجود اِس کے بھی
بے گناہوں کا خُون دُھل نہ سکا

مزدوری

جو واسطہ رکھتے نہیں مجبوری سے
جو شرم نہیں کرتے ہیں مزدوری سے
محنت نہیں جاتی ہے اکارت ان کی
نزدیک تر آجاتے ہیں وہ دُوری سے

غفلت

اے ساقیِ گلفام برا ہو ترا تُو نے
باتوں میں لبھا کر ہمیں وہ جام پلایا
یہ حال ہے سو سال غلامی میں بسر کی
اور ہوش ہمیں اب بھی مکمل نہیں آیا

ترنّم

سمجھ میں نہیں آتے اشعار تیرے
بہت مغز مارا بڑا سر کھپایا
تکلّف نہ کر میرے محبوب اتنا
ذرا پھر ترنّم کی تکلیف فرما

اُلفت

اُلفت تو مجھ کو اب بھی ہے اُس شوخ سے مگر
دو چار سال پہلے کوئی اور بات تھی
ہم سے شبِ وصال کا شکوہ نہ کیجئے
ہم دن کو بھول جاتے ہیں اور وہ تو رات تھی

برخوردار

کامیابی چاہتا ہے تو مرے کہنے پہ چل
جس پہ دل آجائے اُسکو پہلے برخوردار کہہ
رفتہ رفتہ ایک دن مانوس ہو جائے گا وہ
پھر اُسے معشوق کہہ محبوب کہہ دلدار کہہ

شاعری

گر تجھے اسلام سے اُلفت ہے تو قرآن پڑھ
ہو سکے تو پھر لواٹے[1] وقت پڑھ یا ڈان[2] پڑھ
شاعری کے واسطے لازم ہے علمیّت بھی ہو
شعر کہنے سے غرض ہے تو نگارستان[3] پڑھ

[1] اردو اخبار، [2] انگریزی اخبار، [3] مصنفہ مولانا ظفر علی خان

پاکستان

جس کا بس چلتا نہیں بیوی پہ گھر میں آج کل
باہر آکر کوستا ہے پہلے پاکستان کو
اِس قدر ہو جائے جس کی پست ذہنیت تو پھر
فوقیت حاصل ہے اُس اِنسان پر حیوان کو

رہ گذر

مُدّت سے اُن کی راہ میں بیٹھے ہوئے ہیں ہم
بس اِس اُمید پہ کہ کبھی آ ہی جائینگے
لیکن وہ یُوں نکلتے ہیں کترا کے ہم سے روز
جیسے کہ پاس آئے تو ہم کھا ہی جائینگے

آزادی

اِک طرف کہتا ہے انگریز کہ آزاد ہو تم
اِک طرف کاٹتے پھرتے ہیں غلاموں کو غلام
جب یہ آزادی کا مفہوم ہے محمودؔ تو ہم
ایسی آزادی کو پھر دُور سے کرتے ہیں سلام

اہلِ زر

ساتھ دیں کیوں کر نہ محتاجوں کا آج
اہلِ زر کو ہو نہ کیوں خوف و ہراس
بات یہ ہے جھونپڑوں کی آگ اب
پھیل کر پہنچی ہے ایوانوں کے پاس

تخلّص

ہر سمت نظر آتے ہیں پیرس کے نمونے
کیا کہئے کہ کس درجہ ہے لاہور میں فیشن
فیشن کوئی پتلون پہ موقوف نہیں ہے
سنتا ہوں تخلص بھی ہے اِس دَور میں فیشن

کرائے

وہ طوفان اٹھا وہ سیلاب آئے
سبھی بہہ گئے جس میں اپنے پرائے
نہ سر ہے نہ اب دردِ سر ہے کہ تڑپیں
نہ گھر ہیں نہ ہیں اب گھروں کے کرائے

مے خواری

مجھ سے واعظ کو شکایت ہے، کہ مے خوار ہوں میں
اُن سے پوچھے کوئی مے پینے سے کیا ہوتا ہے
رات کو وعظ میں وہ خود ہی تو فرماتے تھے
"وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

کالے چشمے

کالے چشمے بھی ایک نعمت ہیں
دھوپ میں خوب کام دیتے ہیں
جو نگاہیں ملا نہیں سکتے
رات دن اِن سے کام لیتے ہیں

ریڈیو

جن کو انگریز کا قانون ہو ازبر اُن سے
اور سب پوچھ مگر شرع کے احکام نہ پوچھ
ریڈیو میں بھی جو قرآں کی تلاوت نہ سنیں
اُن مسلمانوں کی اولاد کا اسلام نہ پوچھ

بِل

ہر ایک بات پہ بِل پاس ہوتے رہتے ہیں
ہر ایک بات پہ بِل پیش ہوتے جاتے ہیں
غریب قوم کے افراد دن بہ دن محمودؔ
خدا کے فضل سے درویش ہوتے جاتے ہیں

مُسلمانی

ٹھیک ہے ہو گی زمانے میں مسلمانی کبھی
کیا کہوں اب تو مسلماں کی یہ حالت ہو گئی
پوچھ لیتا ہے وہ پہلے میکدے کا راستہ
جس مسلماں کو وراثت ملتی ہے اجداد کی

شیخ جی

ہم تو کیا شے ہیں شیخ جی ہم سے
دو قدم بڑھ کے جھوٹ کہتے ہیں
لوگ باور کریں نہ کیوں اُن پر
کلمہ پڑھ کے جو جھوٹ کہتے ہیں

بیٹا

کیا ہی کہنے ہیں شیخ صاحب کے
کام جیسے بھی ہو چلاتے ہیں
اُن کی باتوں پہ بھولنا نہ کبھی
بیٹا کہہ کر گلے لگاتے ہیں

دُنیا

قائم کچھ ایسے لوگوں کا دُنیا میں ہے وقار
دُنیا کچھ ایسے لوگوں پہ کرتی ہے اعتبار
چوروں کو جو دکھائیں مقامِ نقب زنی
اور مالکِ مکان سے کہہ دیں کہ ہوشیار

کامیونسٹ

کامیونسٹ ہونگے تو وہ ہونگے جولامذہب ہوں
لیکن اِس کفر کے فتوے کی کوئی حد بھی ہے
جو بھی شاعر نظر آتا ہے حکومت کو تو وہ
جان لیتی ہے یہ شاعر ہے تو مُرتد بھی ہے

نوکری

نوکری کے لئے اخبار کے اعلان نہ پڑھ
جان پہچان کی باتیں ہیں کہا مان نہ پڑھ
جن کو ملنی ہو اُنہیں پہلے ہی مل جاتی ہے
بس دکھاوے کے ہی ہوتے ہیں یہ فرمان نہ پڑھ

حسین لوگ

جلوے دکھلا کے لوٹ لیتے ہیں
یعنی گرما کے لوٹ لیتے ہیں
یہ حسین لوگ باتوں باتوں میں
یونہی بہلا کے لُوٹ لیتے ہیں

غلامی

غلامی کے لئے گر ہو سفارش
تو ممکن ہے کہ ہو روٹی میسّر
مگر رونا تو اب اِس بات کا ہے
سفارش کے لئے بھی چاہیئے زر

ضرورت

تذکرہ ہے ہر ایک شاعر کا
گر نہیں ہے تو میرا ذکر نہیں
ایک شاگرد کی ضرورت ہے
خوبصورت بھی ہو تو فکر نہیں

روزے

روزے آنے کو ہیں کہتا تھا کوئی کل ہم سے
روزہ داروں پہ فرشتوں کا گماں ہوتا ہے
عرض کی اُن کی بھی تفصیل بتا جن کے لئے
سال کے بارہ مہینے رمضاں ہوتا ہے

میکشی

پکوڑے کھا کے مے پینے سے حاصل
یہ جینا ہے تو اِس جینے سے حاصل
نہ جس سے مٹ سکے سردی کی شدت
بتاؤ ایسے پشمینے سے حاصل

جام

نہ سمجھو تو اپنی سمجھ ہے تمہاری
جو سمجھو تو قدرت کا انعام ہے یہ
ہم اِنساں کی پہچان کرتے ہیں اِس سے
یہ حُقّہ نہیں شیخ جی جام ہے یہ

عشق

پنجاب کو میسور سمجھنے والے
اے عشق کو دستور سمجھنے والے
معلوم نہیں تجھ کو محبت کیا ہے
فرہاد کو مزدور سمجھنے والے

خودداری

بڑا کمال ہیں خودداریاں غریبی میں
بڑی ہی چیز ہے دولت میں انکساری بھی
وہ ناتوانی نہیں جو دبے نہ طاقت سے
بڑا ہی وصف ہے طاقت میں انکساری بھی

مُہاجر

اصلی مُہاجرین، سیاسی مُہاجرین
اور ان کے ماسوا ہیں مقامی مُہاجرین
اب سوچنا یہ ہے کہ اُنہیں کیا الاٹ ہو
بدقسمتی سے ہیں جو دوامی مُہاجرین

کلرکی

چپڑاسیوں کو مل گئیں جس دن کلرکیاں
اُس دن گریڈ ہم کو ملے تو عجب نہیں
گر جُوتیاں اُٹھانا ادب کا نشان ہے
تو جان لیجئے گا کہ ہم باادب نہیں

شیخ جی

شیخ جی ہم پہ خوب ظاہر ہے
حال کتنا تباہ ہے تیرا
کیا ہوا ہو گئے ہیں بال سفید
دل ابھی تک سیاہ ہے تیرا

مرضیٔ مولا

خدایا تیری مرضی ہو تو پل میں
مرا ہر کام خاطر خواہ کر دے
بہت ردّی ہے استادوں کی حالت
مہینے بھر کو جعفر شاہ کر دے

دُعائیں

اہلِ زر کیا خدا رسیدہ ہیں
دولتِ لازوال دیتے ہیں
جس کو ان سے کوئی ضرورت ہو
یہ دُعاؤں پہ ٹال دیتے ہیں

شادی

ماں باپ کو یونہی مری شادی کی فکر ہے
جیسے نبھی ہے ویسے ہی پھر بھی نبھاؤں گا
تنخواہ پر تو اپنی گذر بھی محال ہے
اُس نیک بخت کو میں کہاں سے کھلاؤنگا

غُربت

دُنیا میں غریبوں کا ٹھکانہ مت پُوچھ
کیا کچھ انہیں کہتا ہے زمانہ مت پُوچھ
اُمید نہیں تم کو بھی باور آئے
سُننے کا نہیں اِن کا فسانہ مت پُوچھ

تہذیب

حرام ہے مرے مذہب میں بادہ خواری بھی
میں جانتا ہوں یہ تخریب کی نشانی ہے
خبر نہیں مری مجبوریاں تجھے زاہد
میں کیا کروں کہ یہ تہذیب کی نشانی ہے

حاجی

رسول اللہؐ کی اولاد کے مدِّ مقابل ہیں
بتاؤں کیا تمہیں ان حاجیوں کے رازِ پنہانی
یہ حالت ہے تو پھر کس سے شکایت کیجئے جا کر
"چو کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی"

شیخ عبد اللہ

گرچہ دیرینہ مراسم ہیں ہمارے اسکے ساتھ
نامہ بر کے طور کچھ اچھے نظر آتے نہیں
یہ بھی جا کر مل گیا ہو غیر سے ایسا نہ ہو
شیخ عبد اللہ کا بھائی نہو یہ بھی کہیں

٭ کنٹونمنٹ بورڈ الیکشن کا ایک امیدوار

گورے اور کالے

ابھی دنیا یہ کہہ دیگی کہ یہ گوروں کا حامی ہے
نہیں تو جانتا ہوں جتنی اہلیت ہے کالوں میں
میں انگریزوں کے بارے میں اسی خاطر تو کہتا ہوں
"خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والوں میں"

معیارِ شرافت

تمام زر کے کرشمے ہیں آج دنیا میں
شریف کوئی نہیں ہے رذیل کوئی نہیں
جو اپنی آپ کفالت نہ کر سکے محمود
تو جان لیجئے اُس کا کفیل کوئی نہیں

فیشن

بدلتے رہتے ہیں وہ بھی ہمارے حال کیصورت
کبھی اُن کی نگاہوں میں بُرے ہیں ہم کبھی اچھے
بھلا ناخن بڑھانا کونسی تہذیب ہے آخر
یہ فیشن ہے تو ہم دُنیا میں بدتہذیب ہی اچھے

سرمایہ دار

دُنیا جسے کہے یہ بہت ہی شریف ہے
سمجھو کہ وہ رئیس ہے سرمایہ دار ہے
جو بے سبب حقیر ہو سب کی نگاہ میں
جانو وہ مفلسی کے مرض کا شکار ہے

کلرک

میں نے اپنا ضمیر بیچا ہے
اپنی اپنی جگہ ہیں سب محظوظ
جانتے ہو کہ اک کلرک ہوں میں
میرے جملہ حقوق ہیں محفوظ

شراب (رُباعی)

مت پوچھ مرا حالِ خراب اے ساقی
عادت بھی ہے اِک گونہ عذاب اے ساقی
کھانے کے لئے مِلتی نہیں ہے روٹی
پیتا ہوں مگر روز شراب اے ساقی

بڑھاپے میں کمائی کی توقع اُن سے رکھتے ہو
نصابوں کی بجائے نادلیں ہیں جنکے بستوں میں
گِلہ کرتا نہ میں ہرگز کبھی اپنے مقدر کا
اگر پیدا ہوا ہوتا نہ میں مردہ پرستوں میں

پڑھانے والوں کو اپنے دعائیں شام وسحر
پڑھے لکھے ہوئے بے روزگار دیتا جا
اگر خطاب کی خواہش ہے اور حج کا خیال
تو پہلے ڈپٹی کمشنر کو تار دیتا جا

یاد ہے اُس کی چشم خواب آلود
اور اُس پر جمائیاں توبہ
یہ تری جو فروشیاں محمودؔ
اور گندم نمائیاں توبہ

اُن کی نگاہِ ناز کا عالم نہ پوچھئے
میں کیا خراب ہوں کہ زمانہ خراب ہے
قربان جایئے ترے طرزِ کلام کے
کہنا کسی سے اور کسی سے خطاب ہے

رسمِ دُنیا دیکھئے مُفلس کی مرگِ ناگہاں
اور لوگوں کے لئے سامانِ خورد و نوش ہے
ٹھنڈی سڑکوں پہ بزازوں کی دوکانوں پہ تو دیکھ
کوئی برقع پوش ایسا ہے کہ جو روپوش ہے

ایبٹ آباد جاتے تھے جو گرمی کے مہینوں میں
سُنا ہے آج وہ بھی غرق ہیں اپنے پسینوں میں
نقابوں میں مزے آتے ہیں جنکی بے نقابی کے
سمجھتے ہیں وہ اپنے آپ کو پردہ نشینوں میں

آنکھوں ہی آنکھوں میں ہم نے دل کا سودا کر دیا
باتوں باتوں میں ہمارے دل کی قیمت ہو گئی
کیا بتائیں کاروانِ دل کہاں لُوٹا گیا
راستے میں ہی کہیں صاحب سلامت ہو گئی

پردا تو اُٹھ گیا تھا مگر شرم تھی ضرور
افسوس وہ بھی اُٹھ گئی اپنے یہاں سے آج
دولت ہی اب توجہ شرافت ہے دہر میں
جانے کسی کو کیوں کوئی نام و نشاں سے آج

مُضمر ہے سادگی میں تری جلوۂ جمال
دُنیائے تمکنت سے ترے انکسار میں
اب انٹرنس پاس کو شکوہ نہ چاہیئے
بی اے بھٹک رہے ہیں غمِ روزگار میں

فاقہ کش ہندی ہیں "صاحب" یہ مریضِ غم نہیں
جن کے چہروں سے ہویدا عشق کے آثار ہیں
چاک دامانی ہماری دیکھ کر ہنستے ہیں لوگ
یہ نہیں معلوم ہم عاشق نہیں بیکار ہیں

باپ اور بیٹا

میرے اِک دوست سحر مجھ سے ملے اور یہ کہا
میں تو اب تک یہ سمجھتا تھا بڑے نیک ہیں آپ
سخت حیرت ہوئی جب رات یہ دیکھا میں نے
آپ بھی رکھتے ہیں در پردہ حسینوں سے ملاپ
عرض کی میں نے یہ سچ ہے کہ جوانی میں ضرور
ہو ہی جاتا ہے کبھی بھول کے اِنساں سے پاپ
نام دھرتے ہیں مگر پھر بھی یہ دُنیا والے
راستے میں جو کہیں بیٹے کے ہمراہ ہو باپ

تین شعر

محکوم تو خود دار کبھی ہو نہیں سکتا ہنسنا تو بڑی چیز ہے وہ رو نہیں سکتا
آزادوں کی تقلید تو کرتا ہوں بہت کچھ اس داغِ غلامی کو مگر دھو نہیں سکتا

مفلس کے مقدّر میں تو ہے گریہ پیہم
منعم کا تقاضا ہے کہ میں سو نہیں سکتا

تین شعر

بے خبر اب تو ہے دولت ہی شرافت کا نشاں
لوگ پہلے کبھی تحویلِ نسب کرتے تھے

اب تو شاگردوں کا استاد ادب کرتے ہیں
سنتے ہیں ہم کبھی شاگرد ادب کرتے تھے

کیا کہیں اب بھی نہیں طاقت دیدار ہمیں
لوگ کہتے ہیں وہ بچپن میں غضب کرتے تھے

اب یہ حالت ہے کہ بیوی سے میاں کہتا ہے
گر تجھے شرم نہیں ہے تو مجھے عار نہیں

جس کے حق دار ہیں کے حق میں ہو یہ دنیا دوزخ
ایسی جنت کا الٰہی میں طلبگار نہیں

میں گنہگار ہوں زاہد مگر اتنا کہہ دوں
ترے افعال سے بدتر مرا کردار نہیں

کالج کے یہ مہ پارے ہیں علم کے سیارے
پستی کی طرف مائل کیوں انکی اڑانیں ہیں

فیشن کا تقاضا ہے روتے ہیں ترنّم سے
عاشق کا جنازہ ہے معشوق کی تانیں ہیں

میں ہند کا مسلم ہوں لندن کا موذّن ہے
ویسی ہی نمازیں ہیں جیسی کہ اذانیں ہیں!

مُتفرّق اشعار

جس کا سرکاری مریدوں میں نہوتا ہو شمار
اِس زمانے میں بھلا ایسا بھی کوئی پیر ہے

آگ لگ جائے ہمارے کوٹ اور پتلون کو
جس کی خاطر عمر بھر اندیشۂ بل میں رہے

خدا کرے یہ مرا خط کسی طریقے سے
تمہارے ہاتھ میں پہنچے تو تار ہو جائے

کاش اتنا ہی تجھے ہوتا مری الفت کا پاس
جس قدر ہوتی تھی چاندی سکۂ انگریز میں

حامیٔ دین بھی ہے اب حامیٔ تہذیبِ جدید
اور دنیا میں ابھی دیکھئے کیا ہوتا ہے

ملاقاتوں کے اڈے بن گئے ہیں
سمجھتے ہو جنہیں تم خانقاہیں

سوچتے ہیں کہ اُن سے کیا کہئے
ابتدا کہئے انتہا کہئے

ستم ہے جن سے توقع تھی ناخدائی کی
ڈبو رہے ہیں وہی قوم کے سفینوں کو

خرابی تو معلوم ہے مجھ کو مے کی
مگر کیا کہوں یہ مجھے راس کیوں ہے

تم اُس کی بات میں آ کر مجھے مشرک سمجھتے ہو
جو مُلّا کفر کے فتوے لگاتا ہے برہمن پر

سُنتے سُنتے مسکرا دیتے ہیں وہ منہ پھیر کر
دیکھئے کتنی حقیقت میرے افسانے میں ہے

ادا عفت فروشوں کی سرِ بازار کہتی ہے
کہ لیلےٰ مر چکی ہے میں برائے نام محمل ہوں

زمانہ جان گیا ہے تمہیں خبر ہی نہیں
ادب کے نام پہ ایمان بیچنے والو

کوئی کھاتا ہے جو رشوت تو مجھے کیا اس سے
میں تو پیچ گمہ کے حوالات سے ہو آیا ہوں

دل مرا پہلو میں دھڑکے تو نہ کیونکر دھڑکے
تجھ پہ سو لڑکیاں قربان ارے او لڑکے

زندگانی کا تقاضہ ہے ہمیں
ورنہ یوں تو جیا نہیں کرتے

غریب کو کوئی حاتم کبھی نہیں کہتا!
جو تیرے نام پہ دے بھی تو فاقہ مست کہیں

وہ دادِ حُسن کی اب لے رہے ہیں دُنیا سے
دکھا کے عہدِ گذشتہ کی اپنی تصویریں

یہ چلتی پھرتی دکانیں سجے سجائے حسیں
میں سوچتا ہوں کہ کیوں اُن پہ سیل ٹیکس نہیں

کیا کہوں گیسو بنانے میں وہ کتنے فرد ہیں
پشت کی جانب سے عورت سامنے سے مرد ہیں

لکھ کر بھی کوئی دے تو اُسے پڑھ نہیں سکتے
ایسے بھی ہیں دُنیا میں گنہگارِ تخلص!

وہ اپنے حسن کے بارے میں کچھ نہیں کہتے
ہمارے نوٹ کو جعلی قرار دیتے ہیں

نہیں ہے ذوق تو کس ڈاکٹر کا کہنا ہے
کہ خواہ کچھ ہو مگر شاعری ضرور کرو

نہ دوست کہہ کے مرا دل دُکھا کہ میں اب تو
زمانہ سازی کا قائل ہوں دوستی کا نہیں

یہ حقیقت ہے کبھی جیتے تھے ہم
زندگانی اب تو اِک الزام ہے

ہو اعتراف گناہوں کا آپ کو کیسے
سفید پوش کیے گا سیاہ کار ہوں میں؟

جہاں لُوٹا گیا تھا کاروانِ دل کبھی اپنا
زمانہ ہو گیا ہے ہم اُسی منزل میں رہتے ہیں

اُس کے ایمان کا میں حال بتاؤں کیونکر
بمبئی سے جو پلٹ آیا ہو حاجی بن کر

پھر پُوچھتے ہیں وجہ ستم بانیٔ ستم
چوروں سے کیا بتائیں کہ لُوٹے گئے ہیں ہم

منانے کے بہانے پیار کرتا ہوں تو کہتے ہیں
یہی مدِّ نظر تھا ورنہ تم ہم کو خفا کرتے

جو حسیں ملتا ہے سینے سے لگا لیتے ہیں ہم
عید پر ناواقفیّت کا سوال آتا نہیں!

کلام سُن کے ہمارا وہ داد دیں کہ نہ دیں
مشاعرے میں ہم اُن کو سلام کرتے ہیں

تمہیں کہو کہ تمہیں جب بھی ہم سے پیار نہ تھا
ہمارا جرمِ غریبی جب آشکار نہ تھا

مفلس سمجھ کے جس سے کہا حالِ مفلسی
اس نے سمجھ لیا کہ اسے قرض چاہیئے

سمجھ لو یا تو عاشق ہے نہیں تو فرض ہے اس پر
محاذِ جنگ پر جا کر جو لیڈر جاں لڑاتا ہے

مکاں ملتے نہیں ہیں گو مہاجر سچ تو کہتے ہیں
پشاور میں پشاور کے مہاجر بھی تو رہتے ہیں

جب کہا دوستی کے پردے میں دھوکا کیا خوب
ہنس کے فرمایا سیاست سے تو واقف ہی نہیں

میں تو سرکاریوں بھی ہندی ہوں
مجھ کو اپنا غلام رہنے دو

بات تو یہ ہے ہمیں لیلےٰ سے مطلب کچھ نہیں
ہم تو اپنے ہوش کھو بیٹھے ہیں محمل دیکھ کر

بدقسمتی سے جب سے ہے کپڑے پہ کنٹرول
دستِ جنوں میں چاکِ گریباں نہیں رہا

سوال یہ ہے انہیں شیخ جی خبر ہی نہ تھی
سفید ریش یہاں تک سیاہ دل ہونگے

یہ کیا کہا کہ ہم اتنے حسیں نہیں ہیں مگر
سوال یہ ہے کہ تم نوجوان ہو کہ نہیں

شیخ صاحب عشق اور اِس سن میں لازم ہے شعور
باپ اور عاشق میں کچھ تو فرق ہونا چاہیے

وہ بھی آزادی کے حامی ہیں خدا کی قدرت
جن کے مفلر پہ دوپٹے کا گماں ہوتا ہے

مرے اسلام میں شک ہے تو ہو تجھ کو مگر کہہ دوں
میں وہ کافر ہوں اے زاہد کہ جس کا دل مسلماں ہے

کیا جانیئے کہ ہوگا جوانی میں حشر کیا
بچپن سے قبلہ گاہ نظر آ رہے ہیں ہم

اس عہد میں تسلیم ہی کرنا پڑا ہم کو
سنتے تھے کہ عاشق کا گریباں نہیں ہوتا

رہے کس طرح پھر دلوں میں کدورت
ثبوتِ محبّت ہے نوٹوں کی صورت

بھوک کا جس کو مرض ہو بالخصوص
اس کو میٹرک پاس کمپونڈر سمجھ

حل ہو نہ سکا ہم سے معمہ یہ آج تک
روٹی کا غم کریں کہ حسینوں کا غم کریں

کتبہٗ محمد شریف عباسی خوشنویس لاہور، ۵۲ء

انشاء پریس لاہور